رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ
مئی ۲۰۱۹ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- رمضان المُبارک کی عظمت
- مُصطفیٰؐ نایاب وارزاں بُولہب
- اسلام کے اساسی وآفاقی تصوّرات

رمضان المبارک کا خصوصی تحفہ

مُنتخباتِ بیانُ القرآن
از
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

قرآنی مضامین کے گلہائے رنگارنگ
پر مشتمل ایک خوبصورت گل دستہ

• امپورٹڈ آفسٹ پیپر • معیاری طباعت • مضبوط جلد
• صفحات: 437 • قیمت: 800 روپے

یہ کتاب رمضان المبارک میں خصوصی رعایتی قیمت پر دستیاب ہوگی

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)
Email:maktaba@tanzeem.org

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

جلد : 68
شمارہ : 5
رمضان المبارک 1440ھ
مئی 2019ء
فی شمارہ 40/-

ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

مدیر
حافظ عاکف سعید
نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون
- اندرون ملک 400 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ' ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** 5
  - دنیا بھر میں مسلمانوں کا گھیراؤ ---- آخر کیوں؟ — ادارہ
- **بیانُ القرآن** 9
  - سورۃ الزمر (آیات ۵۳ تا ۷۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **خصوصی مضمون** 22
  - رمضان المبارک کی عظمت — ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی
- **مطالعۂ قرآن حکیم** 35
  - تعمیرِ سیرت کی اساسات اور بندۂ مؤمن کے بنیادی اوصاف — شجاع الدین شیخ
- **ماہِ مبارک** 45
  - رمضان: خود احتسابی کا مہینہ — مسز بینا حسین خالدی
- **افکار و آراء** 50
  - مصطفیٰ نایاب وارزاں بولہب — انجینئر مختار فاروقی
- **حقیقتِ دین** 55
  - اسلام کے اساسی و آفاقی تصورات — عبدالمتین
- **دعوتِ فکر** 65
  - پاکستانی سکولوں میں بچوں کو کیا پڑھایا جا رہا ہے؟ — پروفیسر سید خالد جامعی
- **ظروف و احوال** 75
  - اسرائیل کو کیوں تسلیم کیا جائے؟ — محمد ندیم اعوان
- **آمد بہار کی ہے** 83
  - ماہِ رمضان کی برکات — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- **فقہ و اصول فقہ** 88
  - اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کے فقہی ضابطے (۸) — ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا بھر میں مسلمانوں کا گھیراؤ۔ آخر کیوں؟

سری لنکا میں ۲۱/اپریل کو تین گرجا گھروں اور تین ہوٹلوں میں بم دھماکوں میں ۳۲۱ افراد ہلاک اور ۵۰۰ کے قریب زخمی ہو گئے۔ یہ بم دھماکے اس وقت ہوئے جب سری لنکا کی مسیحی کمیونٹی ایسٹر کا تہوار منا رہی تھی۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان حملوں میں مسیحی کمیونٹی ہی کو نشانہ بنانا مقصود تھا۔ اسی طرح ہوٹلوں میں بھی خاص طور پر غیر ملکیوں کو نشانہ بنایا گیا۔ حملوں کے فوراً بعد سری لنکن حکومت نے اس کا الزام وہاں کی مقامی ''نیشنل توحید جماعت'' (NTJ) پر لگایا' حالانکہ این ٹی جے نے ان حملوں کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ سری لنکن وزیر دفاع روان وجیورد نے یہ بھی کہا کہ ابتدائی تحقیقات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ حملے مارچ میں نیوزی لینڈ کے کرائسٹ چرچ کی مساجد پر ہونے والے حملے کے جواب میں کیے گئے۔ جب کہ سری لنکن وزیر اعظم نے کہا کہ ان حملوں کے پیچھے ''دولتِ اسلامیہ'' ہوسکتی ہے' اور ۲۳/اپریل کو نام نہاد دولت اسلامیہ نے ان حملوں کی ذمہ داری بھی قبول کر لی اور اس نے اپنے سوشل میڈیا پر حملہ آوروں کی تصاویر بھی ظاہر کر دیں۔ دولتِ اسلامیہ نے اپنی نیوز ایجنسی ''اعماق'' کے ذریعے بتایا کہ انھوں نے سری لنکا میں صلیبی اتحاد (دولتِ اسلامیہ مخالف امریکی اتحاد) کے شہریوں اور مسیحیوں کو نشانہ بنایا ہے۔

حملوں کی ٹائمنگ' مقامات اور اعترافی بیانات سے صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کی مختلف سازشوں میں سے یہ بھی ایک سازش ہے جسے بڑی گہری منصوبہ بندی سے تیار کیا گیا ہے اور اس کے دنیا بھر کے مسلمانوں پر گہرے منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ سری لنکا میں مسلمانوں کی آبادی صرف ۹ فیصد ہے جبکہ اکثریتی آبادی بدھ مت کی پیروکار ہے۔ سری لنکا دنیا کے ان چند ایک ممالک میں سے ایک ہے جن کے شروع سے ہی مسلمانوں سے اچھے تعلقات رہے ہیں۔ خاص طور پر طلوعِ اسلام کے بعد سری لنکا مسلم تاجروں اور مبلغوں کی مہمان نوازی اور قدردانی میں بہت اچھی شہرت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ سری لنکا کے پاکستان کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ پاکستان نے سری لنکا میں دہائیوں تک جاری

رہنے والی خانہ جنگی کو ختم کرانے' خصوصاً تامل ٹائیگرز کی بغاوت کو ختم کرنے میں بنیادی رول ادا کیا تھا' جبکہ اس خانہ جنگی کو بھڑکانے اور تامل ٹائیگرز کے پیچھے بھارت کا ہاتھ تھا۔ اس وجہ سے سری لنکن حکومت اور عوام کا جھکاؤ بھارت سے زیادہ پاکستان کی طرف تھا۔ اسی طرح سری لنکا کی مسلمان آبادی بھی ایک پرامن زندگی گزار رہی تھی۔ ۲۰۱۱ء تک ان کا بدھ اکثریت کے ساتھ بھی کوئی تنازعہ نہیں تھا۔

۲۰۱۱ء میں جب تامل باغی تحریک ختم ہوئی تو اس کے فوراً بعد مسلمانوں کے خلاف' پرتشدد کارروائیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کی بنیادی وجہ وہ فضا تھی جو نائن الیون کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف ہموار کی جا رہی تھی' لہٰذا سری لنکا بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ۲۰۱۱ء کے بعد مسلمانوں پر سنہالہ (بدھ اکثریت) تنظیموں کی طرف سے متواتر حملے شروع ہوئے۔ مسلمانوں کی ایک سول سوسائٹی تنظیم ''سیکریٹریٹ فار مسلم'' نے ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۵ء کے درمیان مسلمانوں کے خلاف ہونے والے ۵۳۸ واقعات درج کیے ہیں۔ اس دوران ۲۰۱۴ء میں' پرتشدد واقعات میں چار افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف تشدد کا بدترین واقعہ دگانا کے قصبے میں گزشتہ سال مارچ ۲۰۱۸ء میں پیش آیا جب بدھ اکثریت کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی دکانوں اور مساجد کو نشانہ بنایا تھا' جس میں ایک شخص کی ہلاکت بھی ہو گئی تھی۔ سری لنکا کی کابینہ نے مسلمانوں کے کاروبار اور مساجد پر کئی حملوں کے بعد حالات پر قابو پانے کے لیے ایمرجنسی نافذ کر دی تھی۔ خود بی بی سی کے مطابق ان حملوں کی نوعیت حادثاتی نہیں بلکہ منظم تھی اور یہ ان گروپوں کی جانب سے کیے گئے تھے جن کی سیاسی جماعتوں سے وابستگی تھی۔ بی بی سی نے اُس وقت رپورٹ شائع کی کہ سری لنکا میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز بیانات' تقریریں اور ویڈیوز کی سرکولیشن میں خاصی تیزی آئی ہے۔

''بودو بالا سینا'' جیسی کئی تنظیموں نے مسلمانون کے خلاف نفرت کی مہم چھیڑ رکھی ہے۔ یہ تنظیم برما کے انتہا پسند بدھسٹ گروپوں سے بھی تربیت لے رہی ہے۔ یہ مسلمانوں پر الزام لگاتی ہے کہ وہ سنہالیوں سے زیادہ بچے پیدا کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنی تعداد بودھ آبادی سے زیادہ کر سکیں۔ ان کا یہ بھی الزام ہے کہ وہ بودھ مذہب کے لوگوں کو جبراً مسلمان بنا رہے ہیں۔ بودو بالا سینا جیسی کئی دیگر انتہا پسند تنظیمیں سری لنکا میں مسلمانوں سے نفرت کی بنیاد پر بدھسٹ قوم پرستی کو ہوا دے رہی ہیں۔ ''سنہالا روایا'' اور ''مہاسن بلایا'' جیسی تنظیمیں طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر سنہالیوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کر رہی ہیں اور تشدد کو فروغ دے رہی ہیں۔ چنانچہ ۲۰۱۸ء

تک مسلمانوں کے خلاف افواہیں اڑانے اور نفرت پھیلانے کا رجحان اس قدر زور پکڑ گیا کہ بالآخر سری لنکن وزیراعظم کو پارلیمان میں اس مسئلہ کو اُٹھانا پڑا۔

ظاہر ہے مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مہم بلامقصد نہیں تھی' بلکہ یہ اسی بین الاقوامی سازش کا حصہ تھی جو نائن الیون کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف شروع کی گئی تھی اور اس کا مقصد بالآخر دہشت گردی کو پروان چڑھا کر مسلمانوں کو اس میں ملوث کرنا تھا۔ جیسا کہ ۲۰۱۸ء میں جب مسلمانوں کے خلاف سری لنکا میں پرتشدد واقعات ہوئے تو اس وقت بھی عالمی تجزیہ کار یہی کہہ رہے تھے کہ وہاں مسلمانوں پر حملے نہ صرف انتہائی منظم طریقے سے ہو رہے ہیں بلکہ یہ انھیں پرتشدد جوابی کارروائی کے لیے مشتعل کرنے کی غرض سے بھی کیے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے خلاف جب' پرتشدد کارروائیاں ہو رہی تھیں تو پولیس جان بوجھ کر تماشائی بنی رہتی' جس سے مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا۔ اور جب' پرتشدد واقعات میں ملوث افراد کو حکومت نے بھی کوئی سزا نہیں دی تو پھر عالمی خفیہ ایجنسیوں کو دہشت گرد تنظیمیں تخلیق کرنے اور گمراہ اور عدم تحفظ کے شکار مسلمانوں کو بہلا پھسلا کر ان تنظیموں کا حصہ بنانے میں آسانی ہوگئی۔

نیشنل توحید جماعت (NTJ) بھی اسی قسم کی ایک جماعت ہوسکتی ہے جسے عالمی خفیہ ایجنسیوں نے ہی اپنے ایجنڈے کے تحت پروان چڑھایا ہو۔ اس تنظیم کو گزشتہ سال دسمبر میں سری لنکا کے موانیلا بودھ مندر میں توڑ پھوڑ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا' جس میں مندر سے باہر موجود مہاتما بدھ کے مجسمے کے چہرے کو نقصان پہنچایا گیا تھا' جسے بدھسٹ تشدد کا ردعمل کہا جاسکتا ہے۔ لیکن مسیحی کمیونٹی کے ساتھ تو سری لنکا کے مسلمانوں کا اب تک کوئی تنازع ہی نہیں تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اتنی چھوٹی اور غیر معروف تنظیم سے اس قدر بڑے لیول پر منصوبہ بندی کے ساتھ منظم دہشت گرد حملوں کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے جب تک کہ بیرونی طاقتور ہاتھ اس میں ملوث نہ ہو؟ اور پھر داعش کی طرف سے ان حملوں کی ذمہ داری قبول کرنا معاملے کو اور بھی مشکوک بنا رہا ہے' کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ داعش کو کس نے بنایا اور کون اسے دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے!

ہماری رائے میں اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیا دھرا ان عالمی خفیہ ایجنسیوں کا ہے جو نائن الیون کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف ایک منظم منصوبہ بندی کے ساتھ متحرک ہیں۔ انہی عالمی ایجنسیوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت پہلے سری لنکا کے مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز فضا پیدا کر کے ان میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کیا۔ اس طرح کی اطلاعات بھی سامنے آ رہی ہیں کہ سری لنکا کی حکومت کو امریکہ اور انڈیا کے خفیہ اداروں نے ان خطرات کے بارے

میں قبل از وقت خبردار کر دیا تھا' لہٰذا ممکن ہے کہ انہوں نے خود ہی NTJ جیسی تنظیمیں بنا کر' انہیں ٹریننگ اور بارود دے کر ان حملوں کے لیے استعمال کیا ہو' جس سے ایک تیر سے کئی شکار کرنا مقصود ہو۔ کیونکہ ان حملوں کے بعد اب سری لنکا میں مسلمانوں کے خلاف بھی وہ فضا پیدا ہوگی جس سے ان کی زندگی وہاں جہنم بن جائے گی' اور ہوسکتا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کی طرح سری لنکا کے مسلمانوں کا بھی منظم قتل عام شروع ہوجائے۔ دوسری طرف ان حملوں کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف ردعمل بھی بڑھے گا۔

مختصراً یہ کہ سری لنکا بم حملے اس بات کی شہادت ہیں کہ دنیا میں مسلمانوں پر اب مزید سختیوں کا وقت آنے والا ہے' اور شاید یہ وہی وقت ہوگا جس کے بارے میں نبی آخرالزمان ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر قائم رہنے والا ایسا ہوگا جیسا وہ شخص جس نے مٹھی میں آگ کا دھکتا ہوا انگارہ پکڑ رکھا ہو''۔ آج دنیا بھر میں ان مسلمانوں کی یہی حالت ہوچکی ہے جو دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں' چاہے وہ انڈیا کے مسلمان ہوں' روہنگیا ہوں' فلسطینی ہوں' چائنا کے ایغور ہوں یا مسلمان ممالک میں بستے ہوں۔ ان پر ہر جگہ اب سختیاں اور آزمائشیں بڑھتی جا رہی ہیں۔

ہمارے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف مغرب کے تمام تر زہریلے پروپیگنڈے اور دجالی ہتھکنڈوں کے باوجود اسلام مغرب اور پوری دنیا میں نہ صرف پھیل رہا ہے بلکہ ان قوتوں کو اسلام سے خطرہ بھی محسوس ہو رہا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے دنیا کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتی ہیں۔ لہٰذا کمیونزم کے خاتمے کے بعد اب اسلام ہی ان کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ دوسری طرف دنیا میں اس وقت کچھ قوتیں جانتے بوجھتے دنیا کو ایک بڑی جنگ کی طرف بھی دھکیل رہی ہیں اور اس طرح کے پے در پے واقعات کے پس پردہ ان کے یہی مذموم مقاصد پوشیدہ ہیں۔ ان حالات میں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم دین کو نہ صرف مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں بلکہ دنیا میں اسلام کے نفاذ اور غلبہ کی اپنی دینی ذمہ داری کو ہر ممکن طور پر نبھانے کی پوری کوشش بھی کریں' کیونکہ دنیا تو ہمارے لیے جہنم زار بن ہی چکی ہے' ہم دین کو چھوڑ کر آخرت کو بھی جہنم تو نہ بنائیں..... اللہ تعالیٰ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان صبر آزما آزمائشوں میں دین پر قائم رہنے اور اس کے غلبہ و نفاذ کی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الزُّمَر

آیات ۵۳ تا ۶۳

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

آیت ۵۳ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے!‘‘

قُلْ يٰعِبَادِيْ کا اندازِ تخاطب اس سورت میں یہاں دوسری مرتبہ آیا ہے۔ اس سے پہلے آیت ۱۰ میں ارشاد ہوا: ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ

کہیے: اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو‘‘۔ اب یہاں گویا پھر سے یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ اب تک کی زندگی اگر تم لوگوں نے غفلت میں گزار دی ہے تو اب بھی وقت ہے‘ اب بھی ہوش میں آ جاؤ! اور اگر تم نے اب تک اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو:

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ ’’اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا‘ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف فرما دے گا۔‘‘☆

لیکن اس معافی کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اُس کے حضور خلوصِ دل سے توبہ کرو‘ حرام خوری چھوڑ دو‘ معصیت کی روش ترک کر دو اور آئندہ کے لیے اپنے اعمال کو درست کر لو۔ ایسی توبہ کا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملے گا کہ تمہارے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ سورۃ الفرقان میں اس بارے میں بہت واضح حکم موجود ہے: ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰۗىِٕكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱﴾ ’’سوائے اُس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے‘ تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے‘ اور اللہ غفور ہے‘ رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک اعمال کیے تو یہی شخص توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ہے‘‘۔ چنانچہ سابقہ گناہوں کی معافی توبہ سے ممکن ہے‘ لیکن توبہ وہی قبول ہو گی جس کے بعد انسان کے اعمال درست ہو جائیں اور اگر ایسا نہ ہو تو رسمی اور زبانی توبہ بے معنی ہے۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳﴾ ’’یقیناً وہ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۵۴ ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ ’’اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو‘ اور اُس کے فرمانبردار بن جاؤ‘‘

﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۵۴﴾ ’’اس سے پہلے کہ تم پر عذاب مسلّط ہو جائے‘ پھر تمہاری کہیں سے مدد نہیں کی جائے گی۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ’’اور پیروی کرو اس کے

☆ توبہ کے موضوع پر یہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے ـــــ توبہ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی کتاب ’’توبہ کی عظمت اور تاثیر‘‘ کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔ (مرتب)

بہترین پہلو کی جو نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے‘‘

یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۱۸ میں بھی آچکا ہے‘ وہاں پر ﴿فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ گویا قرآن جو راستہ تم لوگوں کو دکھا رہا ہے اس میں بھی مختلف درجات ہیں۔ ان درجات کا ذکر سورۃ التوبہ کی اس آیت میں بھی ہوا ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ (آیت ۱۰۰) ’’اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے‘ اور وہ جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکی کے ساتھ‘‘۔ سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں بھی چار مدارج کا ذکر ہے۔ ان میں پہلا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے‘ دوسرے درجے پر صِدِّیقین ہیں‘ تیسرے درجے پر شہداء اور چوتھے پر صالحین۔ سورۃ الحدید میں یہ مضمون زیادہ واضح انداز میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ میں قرآن کے اتباع میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کو پانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ ’’اس سے پہلے کہ تم پر عذاب اچانک آ دھمکے اور تمہیں اس کا گمان تک نہ ہو‘‘

آیت ۵۶ ﴿اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ ’’مبادا کہ اُس وقت کوئی جان یہ کہے کہ ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو مجھ سے اللہ کی جناب میں ہوئی‘‘

ہائے میری بدقسمتی کہ میں زندگی بھر اپنے دھندوں میں اس طرح مگن رہا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچان ہی نہ سکا۔ میرے سامنے اللہ کا دین مغلوب تھا مگر میں اس کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنے کے بجائے اپنی عیش وعشرت کے مواقع ڈھونڈنے اور اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے میں لگا رہا۔ میں نے دنیا کے مال ومتاع کو ہی اپنا معبود سمجھ لیا اور عمر بھر اسی کے لیے اپنا تن من دھن کھپاتا رہا۔

﴿وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ﴾ ’’اور میں تو مذاق اڑانے والوں ہی میں شامل رہا‘‘

میں نے اللہ تعالیٰ‘ اس کے دین اور آخرت کی باتوں کو نہ کبھی دھیان سے سنا اور نہ ہی کبھی سنجیدگی سے ان پر غور کیا‘ بلکہ میں تو ہمیشہ ان باتوں کا مذاق ہی اڑاتا رہا۔

آیت ۵۷ ﴿اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ ’’یا وہ یہ کہے کہ

اگر اللہ نے مجھے ہدایت دی ہوتی تو میں بھی متقین میں سے ہو جاتا!‘‘

اگر کوئی شخص ایسے کہے گا تو گویا وہ اپنے اس اختیار کی نفی کرے گا جو اسے انسان کی حیثیت سے دنیا میں عطا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اسے اشرف المخلوقات بنایا تھا اور اختیار دیا تھا: ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر) کہ چاہو تو میرے شکرگزار بندے بن کر رہو اور چاہو تو نافرمان اور ناشکرے بن جاؤ۔

آیت ۵۸ ﴿اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ ’’یا جب وہ عذاب کو دیکھے تو یوں کہے کہ اگر مجھے ایک بار لوٹنا نصیب ہو جائے تو میں محسنین میں سے ہو جاؤں!‘‘

یعنی اگر مجھے ایک دفعہ دنیا میں دوبارہ جانے کا موقع مل جائے تو میں صرف مسلم‘ صرف مؤمن یا صرف متقی ہی نہیں بنوں گا بلکہ محسنین کی صف میں جگہ بنالوں گا۔

آیت ۵۹ ﴿بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ ’’کیوں نہیں! تیرے پاس میری آیات آئی تھیں تو تُو نے ان کو جھٹلا دیا تھا اور تکبّر کیا تھا اور تُو کافروں میں سے تھا‘‘

آیت ۶۰ ﴿وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ﴾ ’’اور قیامت کے دن تم دیکھو گے اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے‘‘

﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ﴾ ’’تو کیا جہنم ہی میں ٹھکانہ نہیں ہے ایسے متکبّرین کا؟‘‘

آیت ۶۱ ﴿وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ﴾ ’’اور اللہ نجات دے گا ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی (اور انہیں پہنچا دے گا) ان کی کامیابی کی جگہوں پر‘‘

جنت میں ان کے درجات اور مراتب کے مطابق اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقامات تک پہنچا دے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مراتب پر پہنچیں گے اور اسی طرح صِدِّیقین‘ شہداء اور صالحین اپنے اپنے مقامات کو پالیں گے۔

﴿لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''نہ ان کو کوئی تکلیف چھو سکے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

آیت ۶۲ ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ''اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اُسی کے لیے ہیں تمام کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔''

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی ہیں گھاٹے میں رہنے والے۔''

اب اس سورت کے آخری دو رکوع ہمارے زیر مطالعہ ہوں گے۔ یہ دونوں رکوع اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں توحید فی العبادت کا مضمون بہت پُرجلال انداز میں بیان ہوا ہے۔

آیات ۶۴ تا ۷۰

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ
قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ
بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا
هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ
بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّيَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

آیت ۶۴ ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے بھی یہ مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کروں؟''

یہ انداز اس آیت کے علاوہ پورے قرآن میں اور کہیں نہیں پایا جاتا اور یہ خاص اسلوب دراصل مشرکینِ مکّہ کے اس دباؤ کا جواب ہے جو انہوں نے حضور ﷺ پر ''کچھ لو اور کچھ دو'' کی پالیسی اختیار کرنے کے لیے ڈال رکھا تھا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ آپ اپنے موقف میں کچھ نرمی پیدا کریں اور ہمارے معبودوں میں سے کچھ کو تسلیم کر لیں تو اس کے جواب میں ہم بھی آپ کی کچھ باتیں مان لیں گے' بلکہ آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح ایک درمیانی راہ نکل آئے گی اور جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ان کے اس مطالبے کا جواب بہت سخت انداز میں دیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ عربی میں 'جاہل' اس کو کہتے ہیں جو علم اور عقل کے بجائے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

آیت ۶۵ ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف تو وحی کی جا چکی ہے اور جو (رسول) آپ سے پہلے تھے ان کی طرف بھی (وحی کر دی گئی تھی)''

آگے اس وحی کا لُبِّ لُباب بیان کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اگر آپ بھی (بالفرض) شرک کریں گے تو آپ کے سارے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور آپ بھی نہایت خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

یہ سخت اسلوب دراصل حضور ﷺ کے لیے نہیں بلکہ مشرکین کے لیے ہے۔ آپؐ کو مخاطب کر کے دراصل انہیں سنانا مقصود ہے کہ قانونِ خداوندی اس سلسلے میں بہت واضح اور اٹل ہے۔ شرک جو کوئی بھی کرے گا اسے اس کی سزا ضرور ملے گی' کسے باشد! اللہ کا قانون کسی کے لیے تبدیل نہیں کیا جاتا: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (الاحزاب) ''اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی!''

آیت ۶۶ ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''بلکہ آپؐ صرف اللہ ہی کی بندگی کیجیے اور بن جایئے شکر گزار بندوں میں سے!''

آیت ۶۷ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ﴾ ''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے کہ اس کی قدر کا حق تھا''

یہ لوگ اللہ کی قدرت‘ اُس کی قوت اور اُس کی صفات کا اندازہ نہیں کر پائے۔ اس معاملے میں یہ بہت اہم نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگرچہ ہم انسان اللہ تعالیٰ کے علم‘ اُس کی قدرت اور اس کی دوسری صفات کو ناپ تول نہیں سکتے‘ اگر ہم اس کی کوشش بھی کریں گے تو یوں سمجھیں کہ اس کوشش کی مثال سنار کی ترازو میں ٹنوں کے وزن کو تولنے جیسی ہوگی‘ لیکن ہم یہ تو جان سکتے ہیں کہ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہستی ہے۔ اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جن کے اَذہان اللہ کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ماننے سے بھی عاجز ہیں۔ اب اللہ کی قدرت اور عظمت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

﴿وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ﴾ ’’اور زمین پوری کی پوری اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔‘‘

کیا اس کیفیت کا اندازہ کرنا انسانی فکر اور سوچ کے بس کی بات ہے؟ آسمانوں کی پہنائیاں! کائنات میں موجود کہکشاؤں‘ ستاروں اور سیاروں کی تعداد! ایک ایک کہکشاں کی وسعت! ایک ایک ستارے کی جسامت! ان کہکشاؤں اور ستاروں کے باہمی فاصلے! ان فاصلوں اور وسعتوں کو ناپنے کے لیے انسان کے فرض کیے ہوئے نوری سالوں کے پیمانے! ایک نوری سال کے فاصلے کا تصور! اور پھر اربوں کھربوں نوری سالوں کی وسعتوں کا تخیل! اور پھر یہ تصور کہ یہ سب کچھ لپٹا ہوا ہوگا اللہ کے داہنے ہاتھ میں!! بہرحال یہ ایسا موضوع ہے جس پر سوچتے ہوئے انسانی فکر اور اس کی قوتِ متخیلہ بھی تھک ہار کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان کی عقل جو اللہ کی تخلیق کی ہوئی کائنات کے کسی ایک کونے کا احاطہ کرنے سے بھی عاجز ہے‘ وہ اللہ کی قدرت کا کیا اندازہ کرے گی!

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ ’’وہ پاک ہے اور بہت بلند و بالا اُس تمام شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ’’اور صور میں پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جو کوئی بھی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں‘ سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے گا۔‘‘

یہ منظر بہت دہشت ناک ہوگا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فرشتوں کے علاوہ باقی تمام فرشتے بھی صور کی اس آواز سے بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ دراصل یہ تین نفخے ہوں گے۔ پہلا نفخہ وہ ہوگا جسے قرآن میں ’’السَّاعۃ‘‘ بھی کہا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں شدید زلزلے‘ ہلچل اور طوفان کی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ سورج اور چاند آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا جس کے نتیجے میں تمام جانداروں پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس آیت میں اسی دوسرے نفخہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد نفخہ ثالثہ کی کیفیت یوں ہوگی:

﴿ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ﴾ ’’پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے دیکھتے ہوئے۔‘‘

اس تیسرے نفخے کے نتیجے میں تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ یہ گویا بعث بعد الموت کا نفخہ ہوگا اور اسی کا نام قیامت (کھڑے ہونا) ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ ’’اور زمین جگمگا اُٹھے گی اپنے رب کے نور سے‘‘

اس وقت کی کیفیت کو سورۃ الفرقان میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا﴾ ’’اور جس دن آسمان پھٹ جائے گا بادلوں کی مانند اور فرشتے نازل کیے جائیں گے لگاتار‘‘۔ پھر اللہ تعالیٰ زمین پر نزول فرمائیں گے اور فرشتے صفیں باندھے نیچے اتریں گے: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر)۔

﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ ’’اور اعمال نامہ لا کر رکھ دیا جائے گا‘‘

لوگوں کے اعمال نامے کا سرِ محشر لا کر رکھے جانے کی صورتِ حال کا نقشہ سورۃ الکہف کی آیت ۴۹ میں یوں کھینچا گیا ہے: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ ’’اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ‘ چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو کہ وہ لرزاں و ترساں ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ اس نے نہ تو کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو‘ مگر اس کو محفوظ کر کے رکھا ہے‘‘۔ اس کے بعد کی کیفیت کا نقشہ آگے دکھایا جا رہا ہے:

﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ ’’اور لائے جائیں گے انبیاء اور شہید‘‘

یہاں ’’شہید‘‘ سے مراد اوّلاً تو رسول ہیں کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں پر سب سے پہلے گواہی دیں گے۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں حضور ﷺ کی اپنی امت پر گواہی کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ’’تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو‘‘۔ لیکن یہاں انبیاء کے ذکر کے بعد شہید کا لفظ خصوصی طور پر اس لیے لایا گیا ہے کہ وہاں ان لوگوں کو بھی گواہ کے طور پر بلایا جائے گا جو انبیاء و رسل علیہم السلام کی طرف سے تبلیغ کرتے رہے ہوں گے۔ جیسے عشرہ مبشرہ میں سے چھ چوٹی کے صحابہ وہ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کے نتیجے میں ایمان لائے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے بہت سے علاقوں اور قبیلوں کی خواہش پر اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن اور دین کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ ایسے مبلّغ اور معلّم صحابہؓ زیادہ تر اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ ان صحابہؓ نے حضور ﷺ کی طرف سے جن لوگوں کو دعوت دی تھی‘ قیامت کے دن ان پر وہ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! تیرے نبی ﷺ نے تیرے دین کا جو پیغام ہم تک پہنچایا تھا ہم نے وہ ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔

پھر حضور ﷺ کے بعد دین کی دعوت و تبلیغ کی یہ ذمہ داری آپؐ کی امت کی طرف منتقل ہوگئی اور اس لحاظ سے آج ہم سب اس ذمہ داری کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ ہمیں وہاں بطور گواہ بلایا جائے گا کہ محمد (ﷺ) کی طرف سے اللہ کا جو دین تم تک وراثتاً پہنچا تھا کیا تم لوگوں نے اسے آگے نوعِ انسانی تک پہنچا دیا تھا؟ اگر خدانخواستہ ہم یہ گواہی دینے میں ناکام رہے تو ان تمام لوگوں کی گمراہی اور ضلالت کا وبال بھی ہماری گردن پر آئے گا جو ہمارے حلقۂ اثر اور دائرۂ اختیار میں تھے اور ہم انہیں دعوت نہیں دے سکے تھے۔ لیکن اگر ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق یہ حق ادا کر دیا ہوگا تو ہم اس گواہی سے سرخرو ہوں گے اور وہ لوگ اپنے اعمال کے لیے اللہ کے ہاں خود جوابدہ ہوں گے۔ بہرحال اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت کا منظر دکھایا گیا ہے جو سرِمحشر سجائی جائے گی۔ تمام بنی نوع انسان کا اعمال نامہ بھی لاکر اس عدالت کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر انبیاء و رُسل علیہم السلام اور دوسرے گواہوں کو بھی لایا جائے گا۔

﴿وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ ’’اور ان کے مابین فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا‘‘

آیت ۷۰ ﴿وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ ’’اور پورا

پورا دے دیا جائے گا ہر جان کو جو کچھ کہ اس نے عمل کیا ہوگا‘ اور اللہ خوب جانتا ہے جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔‘‘

اس موضوع سے متعلق قرآن کے مختلف مقامات پر جو اشارے ملتے ہیں ان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میدانِ حشر اسی زمین پر ہوگا۔ اس کے لیے زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا‘ جیسا کہ سورۃ الانشقاق کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳﴾۔ پھر اسے بالکل ہموار اور چٹیل میدان کی شکل دے دی جائے گی‘ اس طرح کہ: ﴿لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝۱۰۷﴾ (طٰہٰ) ’’تم نہیں دیکھو گے اس میں کوئی ٹیڑھ اور نہ کوئی ٹیلا‘‘۔ پھر یہیں پر اللہ تعالیٰ کا نزول ہوگا اور یہیں پر فرشتے اتریں گے: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲﴾ (الفجر) اور یہیں پر حساب کتاب ہوگا۔ گویا قصۂ زمین برسرِ زمین چکایا جائے گا۔

فیصلوں کے بعد اہلِ جنت کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور اہلِ جہنم کو جہنم کی طرف۔ یہ میدانِ حشر کا آخری منظر ہوگا جس کا نقشہ اگلے رکوع میں بڑے پُرجلال انداز میں کھینچا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ قرآن کا خاص مقام ہے۔

آیات ۷۱ تا ۷۵

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۝ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

آیت ۷۱ ﴿وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا ؕ﴾ ''اور ہانک کر لے جائے جائیں گے کافر جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔''

اس طرح کہ ایک اُمت کے بعد دوسری اُمت اور پھر تیسری اُمت۔ غرض تمام اُمتوں کے مجرم لوگ اپنے اپنے لیڈروں کی قیادت میں جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ سورۃ ہود میں فرعون اور اس کی قوم کے حوالے سے ایک نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے: ﴿یَقۡدُمُ قَوۡمَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَاَوۡرَدَہُمُ النَّارَ ؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ ﴿۹۸﴾﴾ ''قیامت کے دن وہ آگے آگے چلتا ہوا اپنی قوم کے، پھر وہ آگ کے گھاٹ پر انہیں اتار دے گا۔ اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے جائیں گے''۔ تو یوں اہلِ جہنم کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡہَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُہَا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں گے جہنم پر تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے''

جیسے جیل کے دروازے صرف نئے قیدیوں کے داخلے کے لیے ہی کھولے جاتے ہیں، اسی طرح جہنم کے بند دروازے بھی مجرموں کی آمد پر ہی کھولے جائیں گے۔

﴿وَقَالَ لَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ﴾ ''اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے''

ان مجرمین کی آمد پر جہنم پر مامور فرشتے ان سے پوچھیں گے:

﴿اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا ؕ﴾ ''کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسولؑ نہیں آئے تھے جو تمہیں سناتے تھے تمہارے رب کی آیات اور تمہیں خبردار کرتے تھے تمہاری آج کے دن کی اس ملاقات سے!''

﴿قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''وہ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن کافروں پر عذاب کا حکم ثابت ہو کر رہا۔''

یعنی پیغمبروں نے تو دعوت و تبلیغ کا حق ادا کر دیا، لیکن یہ لوگ انکار اور کفر پر اڑے رہے اور یوں انہوں نے خود کو عذاب کا مستحق ثابت کر دکھایا۔

آیت ۷۲ ﴿قِیۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَی

الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''کہہ دیا جائے گا ان سے کہ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے۔ تو بہت برا ہے یہ ٹھکانہ متکبرین کا۔''

پیغمبروں کی دعوت کے جواب میں جو اکڑفوں تم لوگ دکھاتے رہے تھے اس کی وجہ سے آج تم اس انجام سے دوچار ہوئے ہو۔

آیت ۷۳ ﴿وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّہُمۡ اِلَی الۡجَنَّۃِ زُمَرًا ؕ﴾ ''اور لے جایا جائے گا ان لوگوں کو جنت کی طرف جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیے رہے تھے گروہ در گروہ۔''

﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡہَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُہَا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے ہی) کھولے جا چکے ہوں گے''

یہاں پر ''و'' بہت معنی خیز ہے۔ اس ''و'' کی وجہ سے فقرے میں یہ مفہوم پیدا ہو رہا ہے کہ جنت کے دروازے پہلے سے ہی کھلے ہوں گے۔ یعنی اہل جنت کا انتظار کھلے دروازوں کے ساتھ ہو رہا ہوگا۔ اس حوالے سے سورۂ ص کی آیت ۵۰ میں ﴿مُّفَتَّحَۃً لَّہُمُ الۡاَبۡوَابُ ﴿۵۰﴾﴾ کے الفاظ بھی اسی مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔

﴿وَقَالَ لَہُمۡ خَزَنَتُہَا سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ﴾ ''اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے: آپ پر سلام ہو، آپ لوگ کتنے پاکباز ہیں!''

﴿فَادۡخُلُوۡہَا خٰلِدِیۡنَ ﴿۷۳﴾﴾ ''اب داخل ہو جایئے اس میں ہمیشہ ہمیش رہنے کے لیے۔''

آیت ۷۴ ﴿وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ صَدَقَنَا وَعۡدَہٗ﴾ ''اور وہ کہیں گے کہ کُل حمد اور کُل شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا''

﴿وَاَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الۡجَنَّۃِ حَیۡثُ نَشَآءُ ۚ﴾ ''اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ اب ہم گھر بنا لیں جنت میں جہاں چاہیں۔''

﴿فَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۷۴﴾﴾ ''تو بہت ہی اچھا ہوگا اجر عمل کرنے والوں کا!''

گواہوں نے گواہیاں دے دیں، آخری فیصلے صادر کر دیے گئے، سزا پانے والوں کو جہنم کی طرف بھیج دیا گیا، کامیاب ہونے والوں کو جنت میں پہنچا دیا گیا۔

اب آخری آیت میں گویا عدالتِ محشر کا اختتامی منظر (ڈراپ سین) دکھایا جا رہا ہے:

آیت ۷۵ ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ﴾ ''اور تم دیکھو گے فرشتوں کو کہ وہ عرشِ الٰہی کو گھیرے ہوئے ہوں گے' اپنے ربّ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اُس کی حمد کے ساتھ۔''

﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ''اور ان کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا''

یہاں پر بَيْنَهُمْ سے کچھ مفسّرین نے تو انسان ہی مراد لیے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں گویا وہی بات دہرائی گئی ہے جو قبل ازیں چھٹے رکوع میں بایں الفاظ بیان ہو چکی ہے: ﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۵۹﴾۔ لیکن ایک دوسری رائے کے مطابق یہاں پر وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے فیصلوں کے بعد فرشتوں کے درمیان بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔

قبل ازیں سورۂ صٓ کی آیت ۶۹ کے ضمن میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ فرشتے عاقل ہستیاں ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی اپنی سوچ اور اپنی رائے رکھتا ہے۔ اس بنا پر ان میں اختلافات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی رائے دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فلاں فیصلے میں یہ حکمت ہے' وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس جملے کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر میں فرشتوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کا بھی حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۵﴾ ''اور پکارا جائے گا کہ کُل کی کُل حمد اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے!''

یعنی آخر میں وہی اللہ تعالیٰ کی جے بلند کی جائے گی کہ کُل شکر اور کُل تعریف اللہ کے لیے ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے!

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

رمضان المبارک کی عظمت

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی ☆

نیکیوں کا موسم بہار آ گیا ہے۔ اے طالبِ خیر! ماہِ رمضان کی ایک ایک قیمتی گھڑی سے فائدہ اٹھا' کیونکہ معلوم نہیں کہ آئندہ رمضان ملے گا یا نہیں۔ اے طالبِ شر! بس کر گناہوں سے' تائب ہو کر طاعت اور نیکی کی زندگی کو اختیار کر' کیونکہ تجھے ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس زندگی کا حساب دینا ہے۔

روزے کے مقاصد

ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہر مسلمان' بالغ' عاقل' صحت مند' مقیم' مرد و عورت پر فرض ہے' جس کی ادائیگی کے ذریعہ خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور وہی تقویٰ کی بنیاد ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳﴾ (البقرة)

''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

☆ **تقویٰ:** قرآن کریم کے اس اعلان کے مطابق روزہ کی فرضیت کا بنیادی مقصد لوگوں کی زندگی میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ تقویٰ اصل میں اللہ تعالیٰ سے خوف و رجاء کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق غلط کاموں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کا نام ہے۔ ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' میں اشارہ ہے کہ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے روزہ کا بڑا اثر ہے۔ روزہ سے خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور یہی تقویٰ یعنی اللہ کے

☆ www.najeebqasmi.com

خوف کی بنیاد ہے۔ روزہ کے ذریعہ ہم عبادات' معاملات' اخلاقیات اور معاشرت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے خالق و مالک اور رازقِ کائنات کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے والے بن سکتے ہیں۔ اگر ہم روزہ کے اس اہم مقصد کو سمجھیں اور جو قوت اور طاقت روزہ دیتا ہے اس کو لینے کے لیے تیار ہوں اور روزہ کی مدد سے اپنے اندر خوفِ خدا اور اطاعتِ امر کی صفت کو نشو و نما دینے کی کوشش کریں تو ماہ رمضان ہم میں اتنا تقویٰ پیدا کر سکتا ہے کہ صرف رمضان ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی گیارہ مہینوں میں زندگی کی شاہراہ پر خاردار جھاڑیوں سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزہ کے اس اہم مقصد کو اپنی زندگی میں لانے والا بنائے۔ آمین!

اسی ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کا نزول ہوا' جس سے استفادہ کی بنیادی شرط بھی تقویٰ ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲﴾ (البقرة)

''یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں' یہ ہدایت ہے متقیوں (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں) کے لیے۔''

☆ **گناہوں سے مغفرت:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ —— وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ —— وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (متفق علیہ)

''جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے (یعنی خالصتاً اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے) رمضان کے روزے رکھے اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف فرما دیے جاتے ہیں۔''

مزید فرمایا:

''اور جو کوئی ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے (یعنی ریا' شہرت اور دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے) رات میں اللہ کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا (یعنی نماز تراویح اور تہجد پڑھی) تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

''اور جو شخص شبِ قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کے لیے کھڑا ہوا (یعنی نماز تراویح و تہجد پڑھی' قرآن کی تلاوت فرمائی اور اللہ کا ذکر کیا) تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

علماء نے تصریح کی ہے کہ یہاں صغیرہ گناہ مراد ہیں' لہٰذا کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے رمضان المبارک میں کثرت سے توبہ و استغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

کس قدر فکر اور افسوس کی بات ہے کہ ماہِ مبارک کے قیمتی اوقات بھی غفلت اور معاصی میں گزار دیے جائیں جس سے سابقہ گناہوں کی مغفرت بھی نہ ہو سکے۔ لہٰذا ہمیں رمضان کے ایک ایک لمحہ کی حفاظت کرنی چاہیے' تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کی بددعا کے تحت داخل ہو جائیں۔ (یہ حدیث آگے آ رہی ہے)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہی تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں' بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کا کام ختم ہوتے ہی اسے مزدوری دے دی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمیں عید کی رات غفلت کی نذر نہیں کر دینی چاہیے بلکہ اس میں بھی اعمالِ صالحہ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے تاکہ رمضان میں کی گئی عبادتوں کا بھرپور اجر و ثواب مل سکے۔

☆ **قربِ الٰہی:** روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔ روزہ کے متعلق حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''میں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں''۔ (صحیح بخاری) اس سے زیادہ اللہ کا کیا قرب ہوگا کہ اللہ جل شانہ خود ہی روزہ کا بدلہ ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین اشخاص کی دعا رد نہیں ہوتی ہے' ان تین اشخاص میں سے ایک روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔'' (صحیح ابن حبّان)

☆ **عند اللہ اجرِ عظیم کا حصول:** اس برکتوں کے مہینہ میں ہر نیک عمل کا اجر و ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور خود روزہ کا اجر و ثواب تو بے حد و حساب ہے' جیسا کہ آگے حدیث قدسی آ رہی ہے۔

ہمیں ماہ رمضان کی قدر کرنی چاہیے کہ دن میں روزہ رکھیں' پنج وقتہ نماز کی پابندی کریں'

کیونکہ ایمان کے بعد سب سے زیادہ تاکید قرآن و حدیث میں نماز کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی آخری وصیت بھی نماز کے اہتمام کی ہے۔ کل قیامت کے دن سب سے پہلا سوال بھی نماز ہی کے متعلق ہوگا۔ نماز تراویح کا اہتمام کریں اور اگر موقع مل جائے تو چند رکعات رات کے آخری حصہ میں بھی ادا کر لیں۔ فرض نمازوں کے علاوہ نماز تہجد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مرتبہ فرمایا ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں مسنون اعتکاف کریں اور ان راتوں میں تہجد پڑھنے کا خصوصی اہتمام کریں' کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں پائی جاتی ہے' جس میں عبادت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینوں یعنی پوری زندگی کی عبادت سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔ ۲ ہجری میں رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد سے حضور اکرم ﷺ ہمیشہ آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور راتوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر و اذکار اور قیام میں گزارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک ماہ کی قدر کرنے والا بنائے اور شبِ قدر میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن اور رمضان کا باہمی تعلق

قرآن اور رمضان میں کئی خصوصیات مشترک ہیں۔ ان دونوں کی پہلی اہم مشترک خصوصیت ''تقویٰ'' ہے' جیسا کہ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ذکر کیا گیا۔

قرآن اور رمضان کی دوسری مشترک خصوصیت ''شفاعت'' ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ ' يَقُوْلُ الصِّيَامُ :اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ ' وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ :مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ ' فَيُشَفَّعَانِ)) (رواه احمد والطبرانی فی الکبیر والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

''روزہ اور قرآن کریم دونوں (قیامت کے روز) بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکے رکھا' پس میری شفاعت اس بندے کے حق

میں قبول کر لیجئے۔ اور قرآن کہے گا کہ اے میرے رب! میں نے رات کو اسے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا' پس میری شفاعت اس کے حق میں قبول کر لیجیے۔ چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔'' (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا۔)

تیسری خصوصیت جو رمضان اور قرآن دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ ''قربِ الٰہی'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے' ایسے ہی روزہ دار کو بھی اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔

قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہری خصوصیت حاصل ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا' حضور اکرم ﷺ کا رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا' حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ کو قرآن کریم کا دور کرانا' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کا تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کرنا' رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا' یہ سب امور اس خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس ماہ میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔

ماہ رمضان کا قرآن کریم سے خاص تعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کا ماہِ رمضان میں نازل ہونا ہے۔ اس مبارک ماہ کی ایک بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن مکمل نازل ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر آسمانی کتب اور صحیفے بھی رمضان میں نازل ہوئے' جیسا کہ مسند احمد میں مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مصحفِ ابراہیمی اور تورات وانجیل سب کا نزول رمضان میں ہی ہوا ہے۔ نزولِ قرآن اور دیگر مقدس کتب وصحائف کے نزول میں فرق یہ ہے کہ دیگر کتابیں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوئیں' جبکہ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر رمضان کی مبارک رات یعنی لیلۃ القدر میں ایک بار نازل ہوا اور پھر تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ

اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۣ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵﴾ (القدر)

''بے شک ہم نے قرآن کریم کو شبِ قدر میں اتارا ہے (یعنی قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اس رات میں اتارا ہے)۔ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور جبرائیل (علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں۔ اور یہ خیر وبرکت فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔''

سورۃ العلق کی ابتدائی چند آیات ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱﴾ سے قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد آنے والی سورۃ القدر میں بیان فرمایا کہ قرآن کریم رمضان کی بابرکت رات میں اترا ہے' جیسا کہ سورۃ الدخان کی آیت ۳ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ ''ہم نے اس کتاب کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے'' اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۵ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا'' میں یہ مضمون صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ غرض قرآن وحدیث میں واضح دلائل ہونے کی وجہ سے اُمتِ مُسلمہ کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر رمضان کی مبارک رات میں ہی نازل ہوا۔ اس طرح رمضان اور قرآن کریم کا خاص تعلق روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

نمازِ تراویح کا اہتمام

رمضان المبارک کے قرآن کریم کے ساتھ خاص تعلق کا مظہر نماز تراویح بھی ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کے نازل شدہ حصوں کا دور فرمایا کرتے تھے۔ جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا اس سال آپ ﷺ نے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا۔ (بخاری ومسلم) نمازِ تراویح آپ ﷺ نے خود شروع فرمائی اور اس کو مسجد میں باجماعت ادا بھی فرمایا' لیکن اس خیال سے اس کو ترک کر دیا کہ کہیں اُمت پر واجب نہ ہو جائے اور پھر امت کے لیے اس کو ادا کرنے میں مشقت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہو گئے۔ تیسری یا چوتھی رات آپ ﷺ نماز تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے اور

صبح کو فرمایا کہ میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔ (صحیح مسلم، الترغیب فی صلاۃ التراویح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب تو دیتے تھے، لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (متفق علیہ)

یعنی جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداءِ عہدِ فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (صحیح مسلم، الترغیب فی صلاۃ التراویح)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نمازِ تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی اور انفرادی طور پر نماز تراویح پڑھی جاتی تھی۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی۔ اس تبدیلی کی وضاحت محدثین، فقہاء اور علماء کرام نے فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے پورا رمضان باجماعت نمازِ تراویح شروع ہوئی، نیز اس میں قرآن کریم ختم کرنے اور رمضان میں وتر باجماعت پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی شیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی ۱۹۹۹ء) نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک کتاب ''التراویح اکثر من الف عام فی المسجد النبوی'' تحریر کی ہے جو اس موضوع کے لیے بے حد مفید ہے۔

تراویح کی تعدادِ رکعات میں علماء کرام کا اختلاف ہے، ۲۰ یا ۸ رکعات۔ البتہ یہ بات سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک یعنی ۱۴۰۰ سال سے ۲۰ رکعات تراویح سے کم نہیں پڑھی گئیں۔ نیز قرآن و حدیث کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ چنانچہ نمازِ

تراویح کے پڑھنے کا اہتمام کریں اور اس میں ختمِ قرآن کا اہتمام کیا جائے۔ نمازِ تراویح میں قرآنِ کریم کی تلاوت خوبصورتی سے ٹھہر ٹھہر کر کی جائے، جیسے حرمین شریفین میں کی جاتی ہے۔

تلاوتِ قرآن کا خصوصی اہتمام

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے۔ بعض اسلاف و اکابرین کے متعلق کتابوں میں تحریر ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات چھوڑ کر صرف اور صرف تلاوت قرآن میں دن رات کا وافر حصہ صَرف کرتے تھے۔ امام مالکؒ جنہوں نے حدیث کی مشہور کتاب موطا مالک تحریر فرمائی ہے، جو مشہور فقیہ ہونے کے ساتھ ایک بڑے محدث بھی ہیں، رمضان شروع ہونے پر حدیث پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ کو بند کر کے دن رات کا اکثر حصہ تلاوت قرآن میں صَرف کرتے تھے۔ اَسلاف سے منقول ہے کہ وہ ماہ رمضان اور خاص طور پر آخری عشرہ میں تین دن یا ایک دن میں قرآن کریم مکمل فرماتے تھے۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں ختمِ قرآن کریم کے اتنے زیادہ واقعات کتابوں میں مذکور ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس مبارک مہینہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت قرآن کریم کی تلاوت اور اس کو سیکھنے سکھانے میں لگائیں۔

ماہ رمضان کے بعد بھی تلاوتِ قرآن کا روزانہ اہتمام کریں، نیز علماء کرام کی سرپرستی میں قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم میں وارد احکام و مسائل کو سمجھ کر اُن پر عمل کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اگر ہم قرآن کریم کے معنی و مفہوم نہیں سمجھ پا رہے ہیں تب بھی ہمیں تلاوت بہرحال کرنی چاہیے، کیونکہ قرآن کی تلاوت بھی مطلوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا، لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ)) (صحیح الترمذی)

''جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔''

آدابِ تلاوت: تلاوتِ قرآن کے کچھ آداب ہیں' جن کا تلاوت کے وقت خاص خیال رکھا جائے تاکہ ہم عند اللہ اجرِعظیم کے مستحق بنیں۔ تلاوت چونکہ ایک عبادت ہے لہٰذا ریا وشہرت کے بجائے اس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ومقصود ہو۔ نیز وضو وطہارت کی حالت میں ادب واحترام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کریں۔ تیسرا اہم ادب یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور اچھی آواز میں تجوید کے قواعد کے مطابق تلاوت کریں۔ تلاوتِ قرآن کے وقت اگر آیات کے معانی پر غور وفکر کر کے پڑھیں تو بہت ہی بہتر ہے۔ قرآن کریم کے احکام ومسائل پر خود بھی عمل کریں اور اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزہ اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے تقویٰ والی زندگی گزارنے والا بنائے اور ہمیں دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔ آمین!

رمضان اور روزہ کی اہمیت اور فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : اِلَّا الصَّوْمَ، فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ، يَدَعُ طَعَامَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِيْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ :فَرْحَةٌ عِنْدَ اِفْطَارِهٖ ،وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ)) (متفق علیہ)

''انسان کے ہر (نیک) عمل کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا کر دیا جاتا ہے' سوائے روزے کے' کہ اس کا بدلہ میں خود ہی عطا کروں گا' کیونکہ وہ میرے لیے ہے۔ (دوسری روایت کے مطابق: میں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں۔) انسان کھانے پینے اور جنسی شہوت سے صرف میری وجہ سے رکا رہتا ہے۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں' ایک افطار کے وقت (وقتی) اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت (دائمی)۔''

اللہ اللہ! کیسا عظیم الشان عمل ہے کہ اس کا بدلہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا خود عطا کرے گا' یا وہ خود اس کا بدلہ ہے۔ روزہ میں عموماً ریا کا پہلو دیگر اعمال کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ: ''روزہ میرے لیے ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان کے متعلق میری امت کو خاص طور پر پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں: (۱) روزہ دار کے منہ کی بو (جو بھوک کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور ساری مخلوق حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں تک دعائے مغفرت کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔ (۳) جنت ہر روز ان کے لیے سجائی جاتی ہے۔ (۴) اس ماہ مبارک میں سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔ (۵) رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے''۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہی تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کا کام ختم ہوتے ہی اسے مزدوری دے دی جاتی ہے۔'' (مسند احمد' بزار' بیہقی' ابن حبان)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رمضان کے ہر شب وروز میں اللہ کے یہاں سے جہنم کے قیدی چھوڑے جاتے ہیں اور ہر مسلمان کی ہر شب وروز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے''۔ (مسند بزار' الترغیب والترہیب) رسول اللہ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: ''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی' ایک روزہ دار کی افطار کے وقت' دوسرے عادل بادشاہ کی اور تیسرے مظلوم کی''۔ (مسند احمد' ترمذی' صحیح ابن حبان)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ! ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: ''آمین''۔ جب دوسرے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: ''آمین''۔ جب تیسرے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: ''آمین''۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس وقت جبرائیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین۔ پھر جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہوا اور وہ درود نہ بھیجے۔ میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے

سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچے اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ میں نے کہا: آمین۔'' (صحیح بخاری)

سحر و افطار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حق تعالیٰ شانہ سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اس کے فرشتے ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں''۔ (طبرانی، صحیح ابن حبان) متعدد احادیث میں رات کے آخری وقت میں سحری کھانے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک دو لقمے کھانے سے بھی سحری کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، ان شاء اللہ!

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے روزہ افطار کرے، کیونکہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لیے کہ پانی نہایت پاکیزہ چیز ہے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

افطار کے وقت دعا: افطار کے وقت چند دعائیں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں، جن میں سے دو دعائیں یہ ہیں، جو سنن ابی داؤد (باب قول عند الافطار) میں وارد ہوئی ہیں:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ

''اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے عطا کردہ رزق ہی سے افطار کیا۔''

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ

''پیاس مٹ گئی، رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ اجر و ثواب ثابت ہو گیا۔''

یہ دونوں دعائیں ایک ساتھ یا دونوں میں سے کوئی ایک یا اس موقع پر حضور اکرم ﷺ سے ثابت شدہ کوئی دوسری دعا مانگی جا سکتی ہے۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو اُس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اِس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا اور اس میں یہ بھی فرمایا: ''جس شخص نے اس رمضان المبارک کے

مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے روزہ) افطار کرایا تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے''۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اُس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسّی یا صرف پانی کے ایک گھونٹ سے کسی کا روزہ افطار کرا دے''۔ (بیہقی، شعب الایمان)

رمضان اور اعتکاف

نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال پورے ماہ رمضان کا اعتکاف فرمایا، جبکہ آخری رمضان میں آپ ﷺ نے ۲۰ روز کا اعتکاف فرمایا۔ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنے سے ان شاء اللہ شبِ قدر کی عبادت کی سعادت مل جائے گی۔

رمضان کا اہتمام نہ کرنے والوں کے لیے وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَۃٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْہُ صَوْمُ الدَّھْرِ کُلِّہٖ وَاِنْ صَامَہٗ)) (رواہ البخاری و ابو داؤد و الترمذی، و اللفظ للترمذی)

''جس نے (شرعی) اجازت اور مرض (کی مجبوری) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا، اگر وہ ساری عمر بھی روزے رکھے تب بھی اسے اس کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔''

ہمارے بعض دوست احباب و متعلقین گزشتہ رمضان میں حیات تھے، انہوں نے ہمارے ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھے، تراویح پڑھیں، لیکن اب وہ دنیوی زندگی کو الوداع کہہ چکے ہیں۔ آئندہ رمضان تک کون حیات رہے گا، اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے، لہٰذا اس مبارک ماہ کے ایک ایک لمحہ کی قدر کریں۔ وقت کو یوں ہی ضائع نہ کر دیں۔ دن میں روزہ رکھیں، راتوں میں تراویح اور تہجد پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت، اس کے تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس کے حلقوں میں شرکت کا خاص اہتمام رکھیں، کیونکہ اس ماہ میں ہر نیکی کا ثواب ستّر گنا

بڑھا دیا جاتا ہے۔ اور اہلِ اسلام کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں' دوزخ کے دروازے بند اور شیاطین کو پابندِ سلاسل کر دیا جاتا ہے۔ ہر روز ملائکہ کے ذریعے آواز لگوائی جاتی ہے کہ اے طالبِ خیر! سامنے آ' اور متوجہ ہو۔ اے طالبِ شر! بس کر' گناہوں سے تائب ہو کر طاعت اور نیکی کی زندگی کو اختیار کر!

صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام روزہ نہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهْرُ)) (صحيح ابن ماجه)

''بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا (پیاسا) رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا' اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔''

معلوم ہوا کہ صرف بھوکا پیاسا رہنا روزے کے بنیادی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ جس طرح ہم روزہ میں کھانے پینے اور جنسی شہوت کے کاموں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے رکے رہتے ہیں اسی طرح ہماری پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہونی چاہیے۔ ہماری روزی روٹی اور ہمارا لباس حلال ہو' ہماری زندگی کا طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم والا ہو' تاکہ ہماری روح ہمارے جسم سے اس حال میں جدا ہو کہ ہمیں' ہمارے والدین اور سارے انس وجن کا پیدا کرنے والا ہم سے راضی وخوش ہو۔ دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کے وقت اگر ہمارا مولا ہم سے راضی وخوش ہے تو' ان شاء اللہ' ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی ہمارے لیے مقدر ہوگی کہ اس کے بعد کبھی بھی ناکامی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں زیادہ سے زیادہ اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان کے صیام وقیام اور تمام اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائے۔ رمضان کے بعد بھی منکرات سے بچ کر احکامِ خداوندی کے مطابق یہ فانی وعارضی زندگی گزارنے والا بنائے۔ آمین' ثم آمین!

❁❁❁

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۱۳)

تعمیرِ سیرت کی اساسات

اور بندۂ مؤمن کے بنیادی اوصاف

شجاع الدین شیخ☆

آج ہم سورۃ المؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۃ المعارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵ کی روشنی میں ''تعمیرِ سیرت کی اساسات اور بندۂ مؤمن کے بنیادی اوصاف'' پر گفتگو کی کوشش کریں گے ـــــ بندۂ مؤمن کی صفات کے بارے میں جو پہلی بات اس درس میں آئے گی وہ نماز میں خشوع وخضوع ہے۔ دوسری بات لایعنی باتوں سے اعراض' تیسری بات تزکیۂ نفس کے لیے کوشش' چوتھی بات جنسی جذبے پر کنٹرول' پانچویں اور چھٹی بات ایفائے عہد اور ادائے امانت اور آخری بات حفاظتِ نماز ہے۔ ان بنیادوں پر ایک بندۂ مؤمن کی تعمیرِ سیرت و کردار شروع ہوتی ہے۔

ایک اور بات جو آج کے درس کے ضمن میں ہمارے سامنے کھل کر آئے گی' وہ یہ کہ فہمِ قرآن کے دو اسلوب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے حصے کی وضاحت کرتا ہے۔ جیسے سورۃ الفاتحہ میں بندہ ہدایت کا وہ راستہ طلب کرتا ہے جس پر چلنے والوں پر اللہ ربّ العزت کے انعامات کا نزول ہوا' اس کی تفصیل سورۃ النساء میں آئی ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾﴾

''اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسولؐ کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا' یعنی انبیاء کرام' صِدّیقین' شہداء اور صالحین۔

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت' تنظیم اسلامی

اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے۔''

فہمِ قرآن کا دوسرا اسلوب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اہم مضامین کم از کم دو بار ضرور آئے ہیں۔ اس اسلوب کا تذکرہ سورۃ الزمر میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ﴾ (آیت ۲۳) ''اللہ نے نازل فرمایا ہے بہترین کلام یعنی ایسی کتاب جس میں مضامین باہم ملتے جلتے ہیں اور دہرائے گئے ہیں'' ـــــ آج ہم سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے فہمِ قرآن کے یہ دونوں اسلوب بھی سمجھیں گے۔

مؤمن اور نمازی مترادف اور ہم معنی الفاظ

سورۃ المؤمنون کی پہلی آیت میں ارشاد ہوا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١﴾﴾ ''بیشک کامیاب ہوگئے اہلِ ایمان''۔ سورۃ المعارج کی آیات ۱۹ تا ۲۲ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾﴾ ''بیشک انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے' اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے' سوائے نمازیوں کے''۔ یہاں ایک طرف مؤمنوں کا ذکر آیا ہے تو دوسری طرف نمازیوں کا۔ گویا مؤمن اور نمازی مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے لفظ ''فلاح'' کو سمجھتے ہیں۔ فَلَحَ کا لغوی معنی ہے: پھاڑنا یا پھاڑ نکالنا۔ کسان کو بھی فَلّاح اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کا سینہ اپنے ہل کی نوک سے پھاڑتا ہے۔ فلاح کا اصطلاحی معنی ہے: کامیاب ہونا یا کام نکال لینا۔ ہم اس کو دو اسلوب / مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اَفْلَحَ (باب افعال) کہتے ہیں دنیا کے پردے کو پھاڑ کر کامیابی کی اصل حقیقت کا سراغ لگانا۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا کی کوئی حقیقت نہیں' اصل حقیقت اس کے پیچھے ہے' لہٰذا اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ گویا دنیا کے پردے کو پھاڑ کر آخرت کی کامیابی کا سراغ لگا کر اس کے لیے محنت کرنے والا مُفْلِح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں میں شامل فرمائے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ انسان کی اصل شخصیت اس کا روحانی وجود ہے جو اس کے خاکے یعنی حیوانی وجود کے خول میں لپٹا ہوا ہے۔ روح جسم کے اندر ہی ہے' لیکن ہمارا ایمان

ہے کہ جسم اصل نہیں‘ بلکہ اصل روح ہے۔ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی روح جسدِ خاکی سے نکل جاتی ہے‘ جس کے بعد اسے قبر میں دفنا دیا جاتا ہے۔ اب حیوانی وجود سے آگے بڑھ کر اپنی اصل شخصیت کو تلاش کرنا — جو ہمارا روحانی وجود ہے — اور روح کے تقاضوں پر عمل کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔ گویا مفلح یعنی کامیاب ہونے والا انسان وہ ہے جو اس ظاہری وجود کے پردے کو چاک کر کے اپنی اصل شخصیت وحقیقت کو جان لے اور پھر اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرے۔

سورۃ المعارج کی آیات ۱۹ تا ۲۲ میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ انسان بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ تکلیف آتی ہے تو چیخنا چلّانا شروع کر دیتا ہے اور جب خیر یعنی مال و دولت مل جائے تو کنجوس اور بخیل بن جاتا ہے۔ یہ آیات فلاحِ انسانی کی تشریح کرتی ہیں۔ فلاح پانے والا انسان وہ ہے جو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو سمجھ لے اور یہاں کے اچھے اور برے حالات کو عارضی سمجھ کر ان سے زیادہ متاثر نہ ہو۔ اس میں جلد بازی‘ تکلیف میں جزع فزع اور خوشحالی میں کنجوسی وغیرہ نہ آئے۔ پھر آیت ۲۲ میں فرما دیا گیا کہ یہ تمام کمزوریاں نمازیوں میں نہیں ہوں گی۔

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴۳) ’’اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے‘‘۔ اس آیت کے مطابق بھی مؤمن اور مصلّی ہم معنی الفاظ ہیں‘ اس لیے کہ اس آیت کے پس منظر میں تحویلِ قبلہ کا واقعہ ہے۔ جب بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ کیا مسلمانوں کی پچھلی نمازیں ضائع ہو گئیں؟ انہوں نے ’’نماز‘‘ کے ضائع ہونے کا سوال اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تشفی دی کہ اللہ تمہارے ’’ایمان‘‘ کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ گویا نماز اور ایمان مترادف ہیں۔ یہاں بھی یہی اسلوب اپنایا گیا ہے کہ سورۃ المؤمنون میں ایمان والوں کا اور سورۃ المعارج میں نماز والوں کا ذکر ہے۔ اور پھر دونوں سورتوں میں اول و آخر نماز کا ذکر آیا ہے۔

پہلا وصف: نماز کی حفاظت اور خشوع وخضوع

سورۃ المؤمنون کی آیت ۲ میں فرمایا گیا: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲﴾ ’’جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں‘‘۔ اور آگے آیت ۹ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ

هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹﴾ ’’اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں‘‘۔ سورۃ المعارج کی آیت ۲۳ میں فرمایا گیا: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝۲۳﴾ ’’جو لوگ باقاعدہ نماز کا التزام رکھتے ہیں‘‘ اور آگے آیت ۳۴ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۳۴﴾ ’’اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں‘‘۔ دونوں مقامات پر اول و آخر نماز کا ذکر کر کے واضح کیا گیا کہ بندۂ مؤمن کے کردار کی اہم ترین اساس نماز ہے‘ لہٰذا اس کے روزمرّہ کے تمام معاملات اور نظام الاوقات نماز کے اعتبار سے ہی طے ہونے چاہئیں۔

نماز کی روح خشوع وخضوع ہے‘ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المؤمنون میں سب سے پہلے اسی کو بیان کیا گیا‘ البتہ نماز کی ظاہری و باطنی اعتبار سے افادیت اس پر دوام ہے‘ جسے سورۃ المعارج میں اولاً نمایاں کیا گیا۔ نماز کی محافظت کو دونوں جگہ بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

’’خٰشِعُوْنَ‘‘ کا معنی ہے: جھکنے والے یا عاجزی اختیار کرنے والے۔ جھکنا تین اعتبارات سے ہوتا ہے: (۱) ظاہری طور پر جھکنا‘ یعنی نماز کے تمام ارکان کا متعلقہ آداب کی رعایت کے ساتھ اہتمام کرنا۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے‘‘۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ نماز میں چوری کیسے کی جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’نماز میں جلد بازی کرنا‘‘۔ (۲) باطنی طور پر جھکنا‘ یعنی دل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ (۳) پورے وجود کا جھکنا‘ یعنی پوری زندگی میں اللہ کے احکامات کے آگے جھکنا‘ سرِ تسلیم خم کر دینا۔

نماز پر مداومت کا مطلب ہے باقاعدگی سے نماز ادا کرنا۔ درحقیقت وہی انسان اللہ کے آگے جھکا ہوا ہے جو نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ہے۔ نماز کی محافظت کے لیے طہارت‘ وضو‘ اوقاتِ نماز‘ مسجد میں حاضری‘ جماعت کے ساتھ اہتمام اور مسائل نماز کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ جماعت کی پابندی مَردوں کے لیے لازم ہے‘ عورتوں کے لیے نہیں۔ نماز کے بعد بھی نماز کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہم نماز میں بڑا مانتے ہیں تو نماز کے بعد بھی اسے بڑا ماننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا وصف: لایعنی باتوں اور کاموں سے اعراض

لایعنی باتوں سے اعراض کے حوالے سے سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج کی متعلقہ آیات کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمنون کی آیت ۳ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳﴾ ''اور جو غیر ضروری کاموں سے دور رہتے ہیں''۔ جب کہ سورۃ المعارج کی آیات ۲۶ تا ۲۸ میں فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۲۷ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝۲۸﴾ ''اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے''۔ لغو سے مراد وقت گزاری کے وہ مشاغل ہیں جو نہ دنیوی زندگی کے لیے مفید ہیں اور نہ آخرت کے لیے کارآمد۔ خاص طور پر آج کے دور میں بہت سے کھیل، میڈیا اور سوشل میڈیا اور جو گیجٹس ہمارے پاس ہیں، ان کا بے جا اور بے دریغ استعمال اس زمرے میں آتا ہے، جن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کہاں اپنی زندگی کو برباد کر رہا ہے۔ سورۃ المعارج میں وضاحت ہے کہ بندۂ مؤمن آخرت میں جواب دہی کے احساس اور اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہوئے لایعنی مشاغل سے اجتناب کرتا ہے۔ آخرت سامنے ہوگی تو بندہ پھونک پھونک کر قدم اٹھائے گا۔ وہ اس زندگی کو ایک سرمایہ (asset) نہیں بلکہ ایک ذمہ داری (liability) سمجھے گا، اس لیے کہ اسے پتا ہے کہ مجھے اپنی پوری زندگی کے بارے میں اللہ کو جواب دینا ہے۔ سنن ترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ)) ''ایک انسان کے اسلام کی خوبی لایعنی باتوں کا ترک کر دینا ہے۔''

تیسرا وصف: تزکیۂ نفس کی کوشش کرنا

تزکیۂ نفس کے حوالے سے سورۃ المؤمنون کی آیت ۴ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴﴾ ''اور وہ جو ہر وقت تزکیہ کرتے رہتے ہیں''۔ سورۃ المعارج کی آیات ۲۴، ۲۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵﴾ ''اور جن کے اموال میں حصہ مقرر ہے، مانگنے والے اور محروم کا''۔ ان دونوں کے ربط کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ معیّن

صدقہ ہے جو ہر صاحبِ نصاب کو اللہ تعالیٰ کے طے کردہ مصارف میں ہر سال دینا لازم ہے۔ یہاں زکوٰۃ کا لفظ لغوی معنی میں آیا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ لفظ فٰعِلُوْنَ ہے۔ گویا یہاں زکوٰۃ کا لفظ تزکیے کے معنی میں آیا ہے۔ تزکیے کا مطلب ہے: نشو ونما کرنا، پروان چڑھانا اور ان رکاوٹوں کو دور کرنا جو پرورش کی راہ میں حائل ہیں۔ مالی پودا لگاتا ہے اور پھر پودے کے ایک تناور درخت بننے کے تمام مراحل کا خیال رکھتا ہے۔ جھاڑیاں نکل آتی ہیں، کچھ پتے پیلے ہو جاتے ہیں جو ساری توانائی لے لیتے ہیں تو پودے کو پروان چڑھانے کے لیے ان رکاوٹوں کو دور کیا جاتا ہے۔ یہی تزکیے کا عمل ہے۔ انسان اپنا احتساب کرتے ہوئے اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کرتا ہے اور پسندیدہ چیزوں کو تقویت دیتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لیے نیکی کا عمل کرنا اور بدی کے عمل کا ترک کرنا تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

تزکیۂ نفس میں ایک بہت بڑی رکاوٹ مال کی محبت ہے، چنانچہ سورۃ العادیات میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸﴾ ''اور بیشک انسان مال سے بہت شدید محبت رکھنے والا ہے''۔ کبھی مال کا بت بنا کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ)) (رواہ البخاری) ''ہلاک ہو گیا دینار و درہم کا بندہ''۔ چنانچہ جب تک مال کی محبت دل سے نہیں نکلتی انسان کے نفس کا تزکیہ نہیں ہو سکتا۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (آیت ۱۰۳) ''ان کے مال سے صدقہ قبول کیجیے کہ اس سے آپ (ﷺ) ان کو (ظاہر میں) پاک اور (باطن میں) پاکیزہ کرتے ہیں''۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے جہاں مال کو خرچ کرنے کا حکم دیا وہاں مال خرچ کرتے رہا جائے تو مال کی محبت دل سے نکلے گی۔

سورۃ المعارج کی آیات میں ''حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ'' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کے پاس موجود ضرورت سے زائد مال پر مستحقین کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ (آیت ۲۶) ''اور رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو''۔ گویا ان لوگوں پر خرچ کر کے کوئی یہ نہ سوچے کہ وہ ان پر احسان کر رہا ہے، بلکہ یہ تو ان کا حق تھا جس کی ادائیگی اس پر لازم تھی۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ تزکیۂ نفس کے لیے مال خرچ کرنے کی قانونی صورت تو وہ معیّن حصہ ہے جسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے‘ البتہ اخلاقی اعتبار سے اس کی انتہائی صورت وہ تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ﴾ (آیت ۲۱۹) ’’اور وہ آپ (ﷺ) سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کتنا مال خرچ کریں؟ تو کہہ دیجیے کہ جو ضرورت سے زائد ہو!‘‘

لفظ فِعْلُوْن اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ تزکیۂ نفس کے عمل پر مسلسل کاربند رہنا چاہیے۔ اپنے وجود میں تطہیر و تعمیر تزکیۂ نفس کہلاتی ہے اور اسی تزکیہ کا اگلا درجہ خارج میں تطہیر و تعمیر ہے جسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔ اپنے اندر بھی تطہیر و تعمیر کا عمل کرنا ہے اور خارج میں بھی اسی پر کاربند رہنا ہے‘ بایں طور کہ برائی کو مٹانے اور نیکی کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتے رہنا ہے‘ تاکہ ماحول ایسا ہو کہ اپنا تزکیہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکے۔

چوتھا وصف: جنسی جذبات پر قابو رکھنا

جنسی جذبے پر قابو رکھنے کے حوالے سے سورۃ المؤمنون کی آیات ۵ تا ۷ میں ارشاد ہوا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓي اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاۗءَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾ ’’اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں‘ سوائے اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو اس معاملے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو لوگ (جنسی تسکین کے لیے) اس کے سوا کوئی اور راہ اختیار کریں گے وہی لوگ حد سے نکلنے والے ہیں‘‘۔ اور یعنہٖ یہی الفاظ سورۃ المعارج کی آیات ۲۹ تا ۳۱ میں فرمائے گئے۔ جنسی جذبے کی ایک فطری خواہش انسان میں رکھی گئی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے شریعت نے راستہ بھی عطا فرمایا ہے۔ یہ جذبہ انسان کے حیوانی تقاضوں میں بہت شدید ہے۔ حضرت سہل بن سعد ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ)) (رواہ البخاری) ’’جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (یعنی شرمگاہ) کی ضمانت دے تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں‘‘۔ دیگر مذاہب میں جنسی جذبے کو بُرا جذبہ سمجھا جاتا ہے اور اُسے جائز طریقے سے پورا کرنے کو بھی برا سمجھا جاتا ہے۔

عیسائیت میں ایک پادری نکاح نہیں کر سکتا اور جو نکاح کر چکا ہے وہ پادری نہیں بن سکتا۔ اسلامی تعلیمات میں جنسی تسکین کے سامان (sex descipline) کے لیے صرف بیویوں اور کنیزوں کی اجازت ہے۔ کنیزوں کا معاملہ جنگی حالات کے موقع پر ایک ہنگامی نوعیت کا مسئلہ تھا جو موجودہ دور میں تقریباً معدوم ہے‘ لہٰذا اب جنسی تسکین صرف بیوی سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

پانچواں‘ چھٹا وصف: ایفائے عہد اور ادائے امانت

مؤمن کی بنیادی صفات میں وعدے کو پورا کرنے اور امانت کی ادائیگی کے حوالے سے سورۃ المؤمنون کی آیت ۸ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝﴾ ’’اور جو لوگ اپنی امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں‘‘۔ سورۃ المعارج کی آیات ۳۲‘ ۳۳ میں ارشاد ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَاۗىِٕمُوْنَ ۝﴾ ’’اور جو لوگ اپنی امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں‘ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں‘‘۔ تمام معاملاتِ انسانی امانتوں اور وعدوں پر منحصر ہوتے ہیں۔ ادائے امانت اور ایفائے عہد کا وصف انسانی شخصیت اور کردار کا عکاس ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے تو اکثر و بیشتر یہ الفاظ ضرور ارشاد فرماتے: ((لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ)) (رواہ احمد) ’’اُس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری کا وصف نہیں‘ اور اُس کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کا پاس نہیں‘‘۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))(متفق علیہ)

’’منافق کی تین نشانیاں ہیں (یعنی تین برائیاں ہیں جو اس کے کردار میں راسخ ہو جاتی ہیں) جب بات کرے جھوٹ بولے‘ جب وعدہ کرے اسے پورا نہ کرے‘ اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔‘‘

مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ

مُسْلِمٌ)) ''اگر چہ وہ روزے رکھتا ہو‘ نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان خیال کرتا ہو۔''

امانت وہ شے یا مال ہے جو کسی نے کسی کے پاس رکھوایا ہو۔ اس کے وسیع تر تصور میں کسی مجلس کی خصوصی کارروائی‘ کسی کا راز‘ کوئی اختیار یا منصب‘ کسی طلب کرنے والے کے لیے مشورہ‘ کسی کے حق میں رائے اور انسان کو ملنے والی ہر نعمت اور صلاحیت شامل ہے۔ ہمیں ان ساری امانتوں کا جواب دینا ہے۔

معاہدے کی تین اقسام ہیں: (۱) اپنے آپ سے کیا ہوا عہد‘ مثلاً نیکی کا ارادہ اور گناہوں پر توبہ۔ (۲) بندوں سے کیا ہوا معاہدہ‘ یعنی حقوق العباد کی ادائیگی‘ ملازمت‘ کاروبار یا دیگر پیشہ ورانہ معاہدات‘ اور (۳) اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد‘ جیسے سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (آیت ۱۱۱) ''بیشک اللہ نے مؤمنوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں جنت کے عوض''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان وعدوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۃ المعارج میں عہد اور امانت کے ساتھ شہادتوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ شہادت بھی امانت ہی کی شکل ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کتاب یعنی ہدایت ربانی ہے جس کی تعلیمات کی قول و عمل سے گواہی دینا ہم سب پر فرض ہے اور اس سے پہلوتہی سب سے بڑا ظلم ہے۔ ختمِ نبوت کی وجہ سے نوعِ انسانی کے سامنے دینِ حق کی گواہی دینے کا فریضہ اب مسلمانوں کے ذمے ہے۔ سورۃ البقرۃ میں بتایا گیا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (آیت ۱۴۳) ''اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

یہی لوگ جنّت الفردوس کے وارث ہیں!

زیر درس آیات کے آخر میں جنت کی وراثت کا اعلان ہوا ہے کہ جو لوگ درج بالا اوصاف کے حامل ہوں گے وہی جنت کے وارث ہیں۔ سورۃ المؤمنون کی آیات ۱۰‘۱۱ میں ارشاد ہوا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱﴾ ''یہی لوگ وارث ہیں۔ جو وارث بنیں گے ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں والی جنت کے۔ وہ اس میں

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے''۔ جب کہ سورۃ المعارج کی آیت ۳۵ میں فرمایا گیا: ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝۳۵﴾ ''یہی لوگ ہیں‘ جنت میں جن کا اکرام کیا جائے گا''۔ اللہ کے نیک بندوں کا جنت میں اکرام کیا جائے گا۔ ویسے تو سب انسان اللہ کے در کے فقیر ہیں‘ لیکن یہ حسین انجام اللہ کے ان نیک بندوں کا ہے جن کی بنیادی صفات ہم نے آج کے درس میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ وہ جنت میں اپنے نیک بندوں کا مہمانوں کی طرح اعزاز و اکرام فرمائے گا۔ سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ کے اکرام کی وضاحت آئی ہے کہ اللہ کے نیک بندے فردوس کے وارث ہوں گے‘ یعنی ایسی جنت جس کے سائے انتہائی ٹھنڈے اور گھنے ہوں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''فردوس'' جنت کا اعلیٰ ترین مقام ہے‘ اس لیے جب بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو‘ فردوس مانگا کرو۔ مکمل حدیث یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْجَنَّةُ مِائَةُ دَرَجَةٍ ، كُلُّ دَرَجَةٍ مِنْهَا مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ، وَإِنَّ أَعْلَاهَا الْفِرْدَوْسُ ، وَإِنَّ أَوْسَطَهَا الْفِرْدَوْسُ ، وَإِنَّ الْعَرْشَ عَلَى الْفِرْدَوْسِ ، مِنْهَا تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ ، فَإِذَا مَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ)) (رواه ابن ماجه)

''جنت کے ایک سو درجے ہیں‘ ہر درجہ کا فاصلہ دوسرے درجہ سے اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کا فاصلہ‘ اور سب درجوں سے اوپر فردوس ہے‘ اور جنت کا درمیان بھی فردوس ہے‘ اور اللہ کا عرش بھی فردوس پر ہے‘ اسی میں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں‘ لہٰذا تم جب بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس ہی مانگو۔''

دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت ہم سب کو درج بالا اوصاف کو اپنانے اور ان کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے‘ تاکہ ہم سب کا شمار ''جنّت الفردوس'' کے وارثین میں ہو۔ آمین یاربّ العالمین!

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

رمضان: خود احتسابی کا مہینہ

مسز بینا حسین خالدی ☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ —— وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ —— وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (رواہ البخاری و مسلم)

''جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے —— اور جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کی) ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کر دیے جائیں گے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے ہوں گے —— اور جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اُس کے بھی گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

حدیث مبارکہ میں وارد الفاظ ''ایمان'' اور ''احتساب'' کی تشریح میں جائیں تو ایمان سے مراد محض کلمۂ طیبہ کا زبانی اقرار ہی نہیں' بلکہ ایمان کے وہ تمام مقتضیات و مطالبات اور ایمان کی وہ تمام شاخیں جن کی تعداد ستّر سے زیادہ بتائی جاتی ہے' اور وہ ایمان جس میں کسی قسم کے شرک بشمول خواہشِ نفس کا شرک' اور مزید یہ کہ وہ طریقِ زندگی کہ جس کا مطالبہ دین اسلام ہم سے کرتا ہے' اس کی تشریح کا حصہ بنیں گے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ایمان کی تکمیل کے حوالے سے نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کی وہ حدیث مبارکہ بھی ضرور مطالعہ کر لینی چاہیے کہ:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))(مشکوٰۃ المصابیح)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے میلانات و رجحانات اور اس کی خواہش نفس اس شریعت کے تابع نہیں ہو جاتی جو میں لے کر آیا ہوں۔''

☆ ایڈووکیٹ' احمد پور لمہ' صادق آباد

چنانچہ آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت ایمان کا لازمی جزو ہے۔ ایمان کے ان تمام مطالبات و مقتضیات کو پورا کرنے کے لیے عمر بھر کی ریاضت درکار ہے۔ رمضان المبارک کے تیس یا انتیس دنوں میں یہ تمام مقتضیات پورے نہیں کیے جا سکتے' جبکہ ہمارے معاشرے میں ایمان کی ان تمام جزئیات و مطالبات سے لاعلمی اور غفلت عام پائی جاتی ہے۔

اس حدیث میں گناہوں سے معافی کی جو خوشخبری سنائی گئی ہے' اس خوشخبری کے مخاطبین کون لوگ ہیں؟ کیا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان المبارک سے پہلے پورا سال فتنہ فساد کی راہ ہموار کرنے میں گزارا' لوگوں کے حقوق غصب کیے' حرام مال کھایا' مخلوقِ خدا پر ظلم و زیادتی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شامل رہے؟ کیا آخرت کی باز پرس سے بے خوف رہنے والوں کو (حدیث مبارکہ کے الفاظ کے ذریعے) اس بات کا لائسنس دیا جا رہا ہے کہ میاں رمضان کے روزے رکھ لو' اور لیلۃ القدر میں کھڑے ہو کر نفلی عبادات و تراویح ادا کر لو تو پچھلا حساب صاف —— اور پھر اگلے گیارہ مہینے تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرتے رہنا —— اگلے رمضان پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جانا' روزے رکھ لینا' افطاریاں کھلانا' نمازیں پڑھ لینا اور پھر پہلے کا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا؟

اس حوالے سے تفہیم الاحادیث جلد چہارم میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ان کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ ان کے مخاطب وہ صلحاء و ابرار ہیں جو اپنی زندگیاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے اگر کوئی گناہ یا لغزش سرزد ہو جاتی ہے تو اس کی نوعیت ہرگز ایسی نہیں ہوتی کہ جیسے ایک آدمی پوری ڈھٹائی کے ساتھ اور بے شرمی سے گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر ڈٹا رہے' بلکہ ایسے راست باز لوگوں سے اگر کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے تو وہ فوراً اپنا محاسبہ کرتے ہیں اور توبہ استغفار میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو مستقل اپنا شعار بنائے رکھنا بجائے خود توبہ کی ایک صورت ہے۔ بندہ اگر بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کا وفادار ہے اور جان بوجھ کر اس کے مقابلے میں استکبار اور سرکشی کرنے والا نہیں ہے تو اگر اس سے کسی وقت کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے اور اس قصور کے بعد وہ پھر خدا کے دربار میں نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مغفرت سے محروم نہیں رکھے گا' کیونکہ اس کا طرزِ عمل یہ بتاتا ہے کہ وہ ٹھوکر تو کھا گیا تھا' لیکن اپنے رب سے بھاگا نہیں تھا' اس کا

باغی نہیں ہوگیا تھا۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ اگر ایک شخص نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے تو اس کے پچھلے قصور معاف ہوگئے۔ رمضان میں کھڑے ہوکر راتوں کو عبادت کی تو وہ بھی پچھلے قصوروں کی معافی کا ذریعہ بن گئی۔ اسی طرح لیلۃ القدر میں قیام کرنا بھی اس کے لیے قصوروں سے معافی کا سبب بن گیا۔''

احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ ہی کی رضا کا طالب ہو اور ہر وقت اپنے خیالات و رجحانات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہا؟ دراصل یہ خود احتسابی تقویٰ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ تقویٰ کو نیکیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے' یعنی تمام نیکیوں بشمول عبادات وصدقات اور روزہ کی تہہ میں اگر خوفِ خدا اور باز پُرس کا احساس کارفرما ہے تو یہ نیکیوں کو وزن دینے والا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری طرف روزے کا مقصود بھی تقویٰ کا حصول ہے۔ یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے' ایک روزے دار کے دل میں وہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ جس کے تحت وہ شدید پیاس کے باوجود ایک گھونٹ پانی اپنے حلق میں نہیں اُتار سکتا اور نہ ہی شدید بھوک کے باوجود ایک لقمے تک اپنا ہاتھ ہی بڑھا سکتا ہے۔ روزے کی حالت میں تقویٰ کی یہ کیفیت ہر روزے دار کو' خواہ وہ ایمان کے کمزور ترین درجے پر ہی ہو' حاصل ہو جاتی ہے' لیکن اس پریکٹس کے ذریعے عارضی طور پر' صرف کھانے پینے سے رک جانے کا نام تقویٰ نہیں ہے' بلکہ پوری زندگی میں' اور زندگی کے تمام معاملات اور شعبہ جات میں خود احتسابی پر مبنی تقویٰ کا غالب ہو جانا مقصود ہے۔ معیشت کے تمام شعبوں' تہذیب وتمدن کے تمام رویوں' عائلی زندگی میں اہل خانہ کے ساتھ برتاؤ' یہاں تک کہ انتہائی ذاتی سرگرمیوں میں' تنہائی میں بھی یہ احساس کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے ظاہر اور باطن دونوں ہی پر اللہ نظر رکھے ہوئے ہے' ایک مؤمن کو راہِ راست پر قائم رکھتا ہے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں گراں فروشی' ناجائز منافع خوری' ملاوٹ' ناپ تول میں کمی' اشیاء کی مصنوعی قلت' لوڈ شیڈنگ' میڈیا کے ذریعے عریانی کا پھیلایا جانا' یہ سب قباحتیں جاری رہتی ہیں۔ اس لیے کہ ایمان واحتساب کا احساس یا تو روزے رکھنے کے باوجود پیدا نہیں ہو پا رہا' یا پھر جس طرح نماز سے غفلت عام پائی جاتی ہے اسی طرح روزے کو بھی فرض جاننے کے باوجود چھوڑ دیا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس مقدس مہینے میں نیکیوں کا ایک اجتماعی ماحول بھی پیدا ہو جاتا ہے' لیکن سال بھر غافل رہنے والے دلوں کا یکدم تبدیل ہو جانا اور رجوع الی اللہ کر

لینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ دینِ اسلام اپنے تمام احکامات ومعاملات میں مؤمنین سے عارضی اور وقتی کیفیات کا مطالبہ نہیں کرتا' بلکہ اس کی عائد کردہ تمام عباداتِ مالی وجسمانی کا مقصود مؤمن کی مسلسل تربیت ہے۔ نماز سے شروع ہونے والا تربیتی نصاب حج اور جہاد جیسے عظیم اعمال کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حج کے سفر کے لیے بھی تقویٰ کو زادِ راہ قرار دیا گیا ہے۔

خود احتسابی کی راہ میں حائل رکاوٹیں

جس طرح رمضان المبارک میں نیکیوں کا ایک اجتماعی ماحول پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح رمضان المبارک میں اور اس کے بعد بھی بدی سے روکنے والا ایک اجتماعی ماحول درکار ہوتا ہے۔ جن معاشروں میں سے حلال وحرام کی تمیز اٹھ جائے اور نیکی اور بدی کو گڈمڈ کر کے پیش کیا جاتا ہو' وہاں عامۃ الناس کے ذہنوں میں نیکی اور بدی کے الگ الگ واضح تصورات مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بہت سے گناہوں کو یا تو گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا' یا پھر معمولی گناہ جان کر چشم پوشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ یہی چشم پوشی توبہ' خود احتسابی اور رجوع الی اللہ کے راستے میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ پھر شرک وبدعات جیسی اعتقادی خرابیاں تو گویا غضب بالائے غضب کا کام کرتی ہیں۔ خارجی ماحول میں پائی جانے والی قدیم اور جدید جہالتیں بھی توبہ' احتساب اور رجوع الی اللہ کے راستے میں مزاحم ہیں۔ ان تمام گمراہیوں اور فتنوں کے مقابلے کے لیے واحد ذریعہ قرآن حکیم ہے۔

اللہ کی رضا کے راستے میں حائل ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے یہ سلسلے ازل سے انسانیت کو درپیش ہیں۔ اللہ کی ذات کے ساتھ وفاداری' اطاعت رسول' ایمان کے مطلوبہ معیار' تقویٰ اور احتساب جیسی اعلیٰ صفات کے حصول تک ایک عام مسلمان کی رسائی..... اگر باطن میں موجود عقائد کی خرابی اور خارجی ماحول میں موجود فتنوں کی وجہ سے مشکل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بیکراں جوش میں آتی ہے۔ اسی لیے اس نے رمضان المبارک اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں ہم پر نازل فرمائیں کہ رمضان المبارک میں نیکیوں کے موسم بہار کا فائدہ وہ مسلمان بھی اٹھائیں جو اللہ کے تقویٰ اور تزکیۂ نفس کے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچ سکے ہیں' وہ بھی توبہ واستغفار کے ذریعے روٹھے ہوئے رب کو منالیں۔ رسول کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : يَابْنَ آدَمَ اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ

لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا اُبَالِيْ ، يَابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا اُبَالِيْ ، يَابْنَ آدَمَ اِنَّكَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً))(صحيح الترمذی)

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا' میں تیرے وہ سب گناہ معاف کرتا رہوں گا جو تو نے کیے ہوں گے' اور مجھے کچھ پروانہیں (خواہ تو نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں)۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں' پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے کچھ پروانہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو زمین کے بھرنے کے برابر گناہوں کے ساتھ مجھ سے ملے' لیکن جب تیری مجھ سے ملاقات ہو تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو' تو میں تیرے پاس اس کے برابر بخشش کے ساتھ آؤں گا۔''

رمضان المبارک میں جبکہ روزے داروں کی دعائیں ردنہیں کی جاتیں (بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کرتا ہو) تو ایسے عالَم میں اپنے لیے سب سے قیمتی سرمایہ ایمان اور سب سے بڑی نعمت ہدایت' تقویٰ اور سیئات دور کر دینے کی دعا مانگیں۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپؐ دعا فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ، وَجَهْلِيْ، وَاِسْرَافِيْ فِيْ اَمْرِيْ ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ جِدِّيْ، وَهَزْلِيْ، وَخَطَئِيْ ، وَعَمْدِيْ، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ– اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ، وَمَا اَخَّرْتُ، وَمَا اَسْرَرْتُ، وَمَا اَعْلَنْتُ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ)) (متفق علیہ)

''اے اللہ! میرے گناہ' میری جہالت' کسی بھی کام میں میرے اسراف اور جن امور کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' انہیں معاف فرمادے۔ اے اللہ! میری سنجیدگی سے کی ہوئی' مذاقاً کی ہوئی اور بلاارادہ اور ارادے سے کی ہوئی خطائیں معاف کر دے۔ یہ سب قسم کی خطائیں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ اے اللہ! میرے اگلے پچھلے' پوشیدہ' ظاہر اور جن گناہوں کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' معاف فرمادے۔'' (باقی صفحہ 54 پر)

مصطفیٰؐ نایاب و اَرزاں بولہب

انجینئر مختار فاروقی ☆

(۱) دنیا میں ہر چہار طرف ایک غیر علانیہ جنگ جاری ہے' جو مارکیٹوں' بازاروں' ٹی وی شوز' شہروں' میدانوں' پہاڑوں اور فضاؤں میں دن کے ۲۴ گھنٹے اور ہفتے کے ساتوں دن لڑی جارہی ہے۔ اس جنگ میں ایک طرف تین درجن ممالک کا گٹھ جوڑ ہے اور دوسری طرف کوئی پانچ درجن ممالک ہیں۔ تین درجن ممالک کے پاس دنیاوی وسائل کا بیشتر حصہ ہے۔ ان ممالک کی آبادی دنیا کا بیس فیصد ہے اور وسائل تقریباً اسّی فیصد ہیں۔ یہ ممالک ترقی یافتہ ممالک ہیں اور اسلحہ اور ٹیکنالوجی سے لیس ہیں' جبکہ دوسری طرف پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک ہیں۔

(۲) کچھ ممالک (تقریباً سات درجن) بظاہر جنگ کے دونوں فریقوں میں شامل نہیں ہیں' لیکن وہ مظلوم ممالک کی مدد نہیں کر رہے اور ظالموں کا ہاتھ نہیں روک رہے' لہٰذا جنگ کا کمزور فریق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ ان ممالک کی دلی ہمدردیاں' دعائیں' خواہشات' امیدیں اور اُمنگیں اسی بالادست اور ظالم گروہ کے ساتھ ہیں۔

(۳) یہ جنگ گزشتہ سات صدیوں سے جاری ہے اور اس میں کئی ممالک لڑ لڑ کر کمزور ہو چکے ہیں' کئی نئے ممالک وجود میں آچکے ہیں' کئی ممالک نیست و نابود ہو چکے ہیں۔ سات صدیوں کی اس جنگ میں اب یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ اس جنگ میں مظلوم ممالک یا علاقے کون سے ہیں۔ ان کے پاس بظاہر وسائلِ رزق نہیں ہیں' مخلص قیادت نہیں ہے۔ ان ممالک کے عوام اپنے ہی ممالک کی اشرافیہ (ruling class) سے نالاں اور دُکھی ہے۔

(۴) اس جنگ کا المیہ یہ ہے کہ اس جنگ میں مظلوم ممالک کے مقتدر طبقات اگرچہ سب کے سب بظاہر اپنی قوم کے نمائندے اور قوم کے محسن و خیر خواہ نظر آتے ہیں' مگر درحقیقت وہ مقتدر

☆ مدیر مسئول' ماہنامہ حکمتِ بالغہ' جھنگ

طبقات بلا استثناء (۹۹ فیصد) دشمن کے ہاتھ بک چکے ہیں۔ ان دشمن ممالک کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے' ان ممالک میں ان کے وسائل جمع ہیں' ان کے بینکوں میں رقوم جمع ہیں' وہاں ان کی جائیدادیں ہیں' ان کی اولادیں وہاں زیرِ تعلیم ہیں' ان ممالک میں ان کے کاروبار ہیں۔ لہٰذا ان ممالک کی اشرافیہ اور حکمران طبقہ کی وفاداریاں اپنے ملک اور عوام سے برائے نام ہیں' جبکہ ان دشمن ممالک اور ان کے حکمرانوں سے ان کا مستقبل وابستہ ہے۔

(۵) یہ جنگ غیر محسوس انداز میں لڑی جارہی ہے اور مظلوم ممالک کے خواص و عوام کی اکثریت کو اس جنگ کا احساس بھی نہیں۔ پانچ درجن مظلوم ممالک کی اشرافیہ' حکمران' مقتدر طبقات اور ارب پتی تاجروں نے اپنے ملک کے ٹیکس اور فوجداری قوانین کی گرفت سے بچنے کے لیے دشمن ممالک کی شہریت (citizenship) لے رکھی ہے اور دوہرے پاسپورٹ بنا رکھے ہیں۔

(۶) تین درجن ظالم ممالک کے حکمرانوں نے پانچ درجن مظلوم ممالک کو بظاہر دوست بنا رکھا ہے۔ مختلف فنی معاملات میں حکومتوں کے مشیر ہیں۔ کئی عالمی تنظیموں کے ذریعے مظلوم ممالک کو بڑے بڑے قرضے دے رکھے ہیں۔ حکومتی سطح کے یہ دشمن ملک کے مشیر مشورے دے کر mega projects کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ پھر اس کے لیے عالمی بینکوں سے قرضے دلواتے ہیں۔ پھر ان منصوبوں اور دیگر ملکی سطح کی mega purchases میں گھپلے ہوتے ہیں۔ منہ مانگے داموں پر مظلوم ممالک کے حکمرانوں کے نمائندے یہ چیزیں خریدتے ہیں۔ پھر ان کو غیر قانونی طور پر بین الاقوامی کرنسی میں kickbacks ملتی ہیں جو مظلوم ممالک کے حکمرانوں سے سوئیز رلینڈ بینک وغیرہ میں ان کے پوشیدہ اکاؤنٹس میں جمع کرادی جاتی ہیں' جس کا وہ حکمران طبقہ سود کھاتا رہتا ہے۔ یہ طبقے اپنے ممالک میں دوہری شہریت رکھ کر اپنے غیر ملکی مفادات کو تحفظ دیتے ہیں۔

(۷) تین درجن ظالم ممالک نے دنیا کو بینکوں کے ذریعے عالمی لین دین کے لیے سودی نظام تشکیل دے رکھا ہے' ایک بین الاقوامی کرنسی پر اتفاقِ رائے کر رکھا ہے' جس سے مظلوم و محکوم و مجبور ممالک کا فاضل سرمایہ ان عالمی سود خور ممالک میں مسلسل drain ہو رہا ہے' جس سے تین درجن ظالم ممالک امیر سے امیر تر اور پانچ درجن مظلوم ممالک غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں۔

(۸) (i) ان تین درجن مقتدر عالمی مغربی ممالک نے اس جنگ کا ایک محاذ تعلیم کے شعبے میں کھولا ہوا ہے اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں میں طلبہ کو وظائف دے کر بلاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم اور فنی تعلیم کے نام پر دو صدیوں سے ان مظلوم و محکوم ممالک کے نوجوانوں کو اپنے نظریات' خیالات' مذہب اور روایات سے برگشتہ کر کے مغربی سیکولر لبرل ذہن دے کر واپس ان ممالک میں پالیسی ساز عہدوں پر تعینات کراتے ہیں' جس سے آئندہ ان ممالک کی پالیسیاں ان کے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ اس طرح یہ مظلوم و محکوم ممالک کے عوام مزید کمزور ہو رہے ہیں۔

(ii) ان تین درجن مقتدر عالمی مغربی ممالک کا دوسرا محاذ محکوم ممالک میں شعبۂ تعلیم میں طبقاتی تقسیم ہے۔ اشرافیہ کے لیے الگ نظام تعلیم ہے' مڈل کلاس کے لیے الگ نظامِ تعلیم ہے' عوام کے لیے صوبائی حکومتوں کے تحت نظامِ تعلیم ہے جس کا معیار نہایت پست ہے' جس سے فارغ التحصیل طلبہ از خود سیاسی رہنما' مرکزی و صوبائی بیوروکریسی اور سرکاری محکمانہ کلرک (clerical staff) پیدا ہو رہے ہیں۔ اس پر مستزاد جو لوگ نجی شعبہ سے متعلق ہیں وہ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بہت مہنگی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور غیر ممالک سے 'جعلی' ڈگری لے کر واپسی پر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور کرپشن کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں' خود بھی کھاتے ہیں اور سیاسی قیادت کو بھی کھلاتے ہیں۔

(iii) تعلیمی شعبہ میں جنگ کا تیسرا محاذ نصاب میں مقتدر ممالک کے سیکولر اور لبرل مزاج کے حامل نظام کو رائج کرنا اور محکوم ممالک کے نظریات کو ختم کرنا ہے۔ کئی صدیوں کی اس جنگ کے آخری مراحل میں محکوم اقوام کا نظامِ تعلیم لپیٹ کر مغربی سیکولر لبرل خدا بیزار نظام رائج و نافذ ہے۔

(۹) مغربی مقتدر ممالک کی جنگ کا ایک محاذ میڈیا ہے' اس میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا آتا ہے۔ اس شعبہ میں مغرب نے اپنے پسندیدہ لوگ بھاری معاوضوں پر خرید رکھے ہیں غیر ملکوں سے علی الاعلان امداد آتی ہے۔ وہ ہر ملکِ محکوم کے معاملات' نظریات' سرکاری و غیر سرکاری معاملات' مذہب' روایات' عبادات میں مداخلت کر کے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور

اس سے عوام کو متنفر کرتے ہیں' اور اس کی جگہ مغربی ثقافت و کلچر عام کرنے اور womenlib کے نام سے کئی لچر پروگرام در پردہ شروع کر رکھے ہیں۔ ہر ملک میں مَردوں اور عورتوں کو آزادی کے نام پر آپس میں الجھا رکھا ہے۔ اس میدان میں انہوں نے کئی خوف ناک اور خطرناک تنظیمیں پال رکھی ہیں جو وقت آنے پر منظر عام پر لائی جاتی ہیں۔ Femen کے نام سے ایک ایسی تحریک نے کئی ممالک میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔

(۱۰) مغربی مقتدر ممالک میں عیسائی دنیا کے ممالک سب سے آگے ہیں۔ ان کا سرپرست اسرائیل ہے اور بت پرست ممالک بھی ان کے ہم خیال ہیں' جبکہ محکوم' مظلوم' مجبور اور مقہور ممالک میں مسلمانوں کے ۶۰ ممالک ہیں۔ ان ممالک کی اشرافیہ وسائل پر قابض ہے اور مغرب کی پروردہ ہے اور مغربی ممالک ہی کی نمک خوار ہے' جبکہ عوامی سطح پر خال خال کچھ لوگ دین کے داعی ہیں اور عوام میں اسلام کا ہلکا سا رنگ باقی ہے۔

(۱۱) اس جنگ کو مغرب نے ''آخری صلیبی جنگ'' کا نام دیا ہے اور دھوکے سے دوست بن کر ابلیس کے خدا بیزار' خدا دشمن' انسان دشمن اور اخلاق دشمن رویوں کو ہوا دے رہا ہے۔ اس جنگ میں UNO کا خاص کردار ہے' وہ اس گروہ کے سربراہ اسرائیل اور صہیونی عالمی مافیا کا آلۂ کار ہے' ڈالر اس کی کرنسی ہے۔ اس پر اس جمہوری دور کے عروج کی صدی میں پانچ ممالک (جن کی رگِ جان پنجۂ یہود میں ہے) کو veto پاور دے رکھی ہے اور یوں عالَمِ اسلام کا گلا دبوچا ہوا ہے۔

دنیا بھر میں صرف مسلمان ممالک میں قتل عام جاری ہے۔ دھماکے' دہشت گردی' تباہی' مہاجرت اور مسکینی کا عالم ہے۔ برما ہو' عراق ہو' شام ہو' چیچنیا ہو' افغانستان ہو' نیوزی لینڈ ہو' بھارت ہو' کشمیر ہو' سوڈان ہو یا دیگر افریقی ممالک ہوں' ہر جگہ مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور مغرب نے مسجدوں میں (دورانِ عبادت) مسلمانوں کے لیے مقتل بنا دیے ہیں۔ مغرب کی سوچی سمجھی پالیسی carrot & stick کی ہے۔ ایک عالمی شخصیت دلاسا دیتی ہے اور دوسری عالمی شخصیت دہشت گردی کی مذمت بھی نہیں کرتی ہے۔ سچ ہے کہ

ع مصطفےٰ ﷺ نایاب و ارزاں بولہب!

مسلمان عوام کے لیے آفرین ہے کہ وہ کسی خضرِ راہ یا مَردے از غیب کے منتظر اپنی اُمیدوں' اُمنگوں' آرزوؤں اور چکنا چور خوابوں کو آنسوؤں سے دھو کر دامن میں سجائے بیٹھے ہیں۔ شاید کوئی مسیحا ان کے لیے بھی آجائے۔ فیض کا یہ شعر تو مایوسی کے عالَم کا ہے ؎

تم ناحق شیشے چُن چُن کر دامن میں سجائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں' کیا آس لگائے بیٹھے ہو!

مگر فارسی کا یہ شعر امید افزا ہے ؎

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد!

(۱۲) یہ غیر علانیہ جنگ مغرب عالَمِ اسلام کے خلاف دوست بن کر جاری رکھے ہوئے ہے۔ بقولِ الفاظ'' یہ اندازِ ابلیسی انداز ہے کہ کسی کا دوست بن کر اس کو بے دست و پا کر دیا جائے۔'' قرآن مجید میں وارد ہے:

﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۝۱۰۰﴾ (النحل)

''اس (شیطان) کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک بنا لیتے ہیں۔''

ابلیس انسان کا ناصح اور مشیر بن کر ہی گمراہ کرتا ہے۔ ابلیس کے ہتھکنڈوں سے بچنا ہے تو اس کو دشمن سمجھو اور دشمنی پالو۔ مغربی ممالک کے ابلیسی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لیے ان سے الگ ہونا شرطِ اوّل ہے۔ اے کاش! عالَمِ اسلام کے ۶۰ سے زیادہ ممالک کی سمجھ میں یہ نکتہ آ جائے۔ اس میں اُمتِ مسلمہ کا مفاد ہے اور شاندار مستقبل بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس کٹھن راستے پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین! ❁❁❁

بقیہ: رمضان' خود احتسابی کا مہینہ

توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی گناہوں کو مٹا دینے والے ہو سکتے ہیں' بشرطیکہ انسان خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو گزارتا رہے۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُس شخص کی مثال جو بُرے اعمال کرتا ہے اور بعد ازاں اعمالِ صالحہ کرتا ہے اُس شخص جیسی ہے جس نے تنگ زرہ پہن رکھی ہے اور زرہ نے اس کے گلے کو دبایا ہوا ہے۔ پھر جب اس نے اچھا عمل کیا تو اس کی ایک کڑی کھل گئی' بعد ازاں اور اچھا عمل کیا تو دوسری کڑی کھل گئی (اسی طرح اعمالِ صالحہ سے تمام کڑیاں کھلتی چلی گئیں) یہاں تک کہ زرہ زمین پر گر پڑی''۔ (مشکوٰۃ) ❁❁❁

اسلام کے اساسی و آفاقی تصوّرات

عبدالمتین ☆

ایک مغالطہ اور روشن خیال تحریک

معاصر مغالطوں میں سے ایک بہت بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دین اسلام کو چند رسوم کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ چند رسمی احکامات کا نام نہیں، بلکہ ایک نظامِ حیات ہے جو کہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

دین کے ساتھ اس طرح کی نسبت کا فروغ یک لخت پیدا نہیں ہوا بلکہ اس روش کے پسِ پردہ ایک سیاہ تاریخ ہے، جسے ہم ''تحریکِ تنویر'' (Enlightenment) کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ تحریک اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی کہ کس طرح دین کو مذہبی رسومات تک محدود کیا جائے، کس طرح اسے ایک وہم و خیال تصور کیا جاسکے، کس طرح خطۂ ارض پر الٰہی اختیارات کے بجائے انسانی اختیارات کا بول بالا کیا جاسکے، کس طرح وحی الٰہی سے چھٹکارا پایا جائے، کس طرح عقل انسانی کو ماخذ علم قرار دیا جائے۔ الغرض اس تحریک نے ہر وہ طریقہ اپنایا جس کے تحت بندوں کا رشتہ خدا سے کٹ گیا اور جو عبداللہ تھا وہ عبدالدرہم والدینار بن گیا۔

اسلامی تعلیمات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ

مذکورہ تمام مقاصد کا حصول ہی اس تحریک کا اصل منشور تھا، جس میں کامیابی کا نتیجہ آج ہمیں مذہب اور خدا بیزار انسانوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے، جن کے مطابق اس دنیا کا کوئی ایک معمولی مسئلہ بھی مذہبی تعلیم کی روشنی میں حل ہونے کے قابل نہیں، بلکہ ان کے گمان میں انہوں نے ایسے نادر علوم تشکیل دیے ہیں جن کے ساتھ نبھاؤ ہماری ہر الجھن کو سلجھن میں بدل سکتا ہے اور بغیر کسی آسمانی ہدایت کے ہر شعبۂ زندگی میں ان سے رہنمائی لی جاسکتی ہے، جیسے سوشل اور تکنیکی علوم وغیرہ۔

☆ abdulmateen989@yahoo.com

مذہب کی نام نہاد اہمیت

اگر کوئی شخص اپنے کسی نجی معاملے کو مذہبی انداز سے حل کرتا ہے تو اسے مکمل اختیار ہے، جیسے عائلی مسائل وغیرہ، جسے ''آزادیٔ اظہارِ رائے'' کا نام دیتے ہوئے نظرانداز کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک مذہب فقط ایک ذاتی معاملہ ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ لہٰذا مذہب کسی کی ذاتی اور نجی زندگی میں تو قابل قبول ہے لیکن معاشرتی، سماجی، اخلاقی، قانونی اور سیاسی معاملات کو بہرحال مذہب کی روشنی میں نہیں سمجھا جاسکتا۔

مذہب کی نج کاری اور مقاصد

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کے ذاتی معاملہ تک محدود ہونے کی صورت میں اس کی انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا کسی مذہبی شخص کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ کسی جدید ریاست میں رہتے ہوئے وہ اپنے معاشرتی مسائل کو اپنے مذہب کی روشنی میں حل کر سکے؟ یا یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ انگریز کے لاگو کردہ قوانین کو چیلنج کرتے ہوئے اپنی عدالتوں کو فقہائے کرام کی قانونی جزئیات پر فیصلہ دینے کا مطالبہ کرے؟ یا یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مالی معاملات میں سود کی گردش سے بچ سکے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب ''نہیں'' ہے تو کس بات کو نجی کہہ کر دھوکہ دیا جارہا ہے؟ کیا ایک ایسا نجی معاملہ قابلِ توجہ رہ سکے گا جس کا میرے گردوپیش کے حالات و معاملات سے کوئی تعلق نہیں؟

آزادیٔ اظہارِ رائے اور حقائق

آزادیٔ اظہارِ رائے کا نام لینا بہت آسان ہے، لیکن درحقیقت یہ آزادی فقط اس فلسفۂ حیات کے زیر اثر ماحول کے لیے ہے جو ''سیکولرازم اور لبرل ازم'' سے نکلنے والی شعاعوں کو عقیدہ کی مانند تسلیم کرلے اور یقین کرلے کہ جو کچھ بھی کرنا ہے اپنی عقل کی روشنی میں ہی کرنا ہے۔ یہ سب کیا دھرا دراصل انسان کو ایسے ضابطۂ حیات کی طرف دعوت دیتا ہے جہاں انسان کا رشتہ خالق سے توڑ کر مخلوق سے جوڑا گیا ہے۔ جس میں خودغرضی اور خودسری کی حدوں کو پار کیا جاتا ہے، جس میں مدنظر فقط ''مادہ'' ہی رہتا ہے، جس میں روحانیت کو نفسیاتی مسئلہ اور ''وحیٔ الٰہی'' کو ''مرگی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات

دین اسلام درحقیقت آسمانی ہدایات اور رسولِ اقدس ﷺ کی عملی زندگی کا نام ہے‘ اور اس حقیقت سے مسلم وغیر مسلم سب ہی واقف ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی عبادت وریاضت اور گھریلو مصروفیات سے لے کر معلّم‘ قاضی‘ سپہ سالار اور حاکم کی صورت میں آج بھی محفوظ ہے‘ جسے ہم شریعت اور سنت کا نام دیتے ہیں۔

اسلام کا مکمل ضابطہ حیات ہونا کوئی جدید اصطلاح نہیں ہے (جیسا کہ آج کل بہت سوں کو یہ گمان ہو رہا ہے)‘ بلکہ یہ تو خالق کی بسائی ہوئی دنیا میں اُسی کے احکامات کے مطابق زندگی کا گزارنا ہے‘ اور یہ نظامِ حیات اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ یہ عالمِ جن وانس۔ دراصل اسلام اپنے ماننے والوں سے بغیر کسی قطع و برید کے مکمل شمولیت کا تقاضا کرتا ہے اور یہ تقاضا کرنا اس امر کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھی ایسا بامعنیٰ پہلو نہیں جس کے متعلق قرآن وحدیث میں اصولی طور پر اور فقہاء کی آراء میں جزوی طور پر ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اسلام کی جامعیت: عبارات کی روشنی میں

اسی ضابطہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اس انداز سے بیان فرماتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾ (البقرة:۲۰۸)

’’اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔‘‘

آیت مبارکہ کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

يقول تعالىٰ آمرًا عباده المؤمنين به المصدّقين برسوله: أنْ يأخذوا بجميع عُرَى الإسلام وشرائعه، والعمل بجميع أوامره، وترك جميع زواجره ما استطاعوا من ذلك (۱)

’’اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو حکم کرتا ہے جو کہ اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے تمام اصول اور قوانین کو لیا کریں‘ اور اس کے تمام احکامات پر عمل کریں اور حتی الامکان اسلام کے بتائے ہوئے تمام مناہی سے گریز کریں۔‘‘

اس آیت مبارکہ کے علاوہ یہ آیت بھی دین کی کاملیت اور قطعیت پر واضح دلیل ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ

الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (المائدة:۳)

’’آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام پر راضی ہوا۔‘‘

دین کا یہی رخ سامنے رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ’’حجة الله البالغة‘‘ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

كذلك اتى الله بشريعة هى اكمل الشرائع متضمنة لمصالح يعجز عن مراعاة مثلها البشر (۲)

’’ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک ایسی شریعت عطا ہوئی جو کہ کامل ترین ہے اور ایسی مصلحتوں پر مشتمل ہے کہ جن کی رعایت کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔‘‘

فقہ اسلام کی معروف کتاب ’’ہدایہ‘‘ کی ترتیب وضع پر ایک نظر کی جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ صاحب کتاب نے اپنی کتاب کے تین چوتھائی حصہ کو معاملات سے متعلق موضوعات کے لیے مختص فرما دیا ہے جس میں نکاح‘ طلاق اور معاشرت کے متعلق غیر معمولی تفصیل کے بعد ان تمام کاروباری اور معاشی جزئیات پر بھی تفصیلی بحث کی ہے جو ہماری ضرورت کا ایک بڑا حصہ ہیں۔ یہ طویل جدوجہد اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی جامعیت کس قدر عمیق اور گہری ہے۔ اسلام ایک دستورِ حیات کی حیثیت سے ہمارے لیے ایسی ترتیب پیش کرتا ہے جس کی رعایت پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی کے تمام احکام کو سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

اسلام کی بنیادیں

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دین کی شعبہ جاتی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اسلامی تعلیمات مضامین کے اعتبار سے پانچ حصوں میں منقسم ہیں: (۱) عقائد و تصدیقات (۲) اعمال وعبادات (۳) معاملات وسیاسیات (۴) آداب ومعاشرت (۵) سلوک واحسان۔‘‘(۳)

ایمانیات

شریعت اسلامی کی پوری عمارت ایمانیات پر منحصر ہے‘ جسے نظریۂ حیات اور عقیدے کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ایمانیات کی حیثیت اس ستون کی سی ہے جس کے بغیر عمارت کی بنا تو

دور اس کا تصور بھی محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں داخل اور خارج ہونے کا معیار بھی ایمانیات ہی کے شعبہ سے وابستہ ہے۔ ایمانیات کے اساسی شعبہ جات کو ''حدیثِ جبریل'' میں بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ: ((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكِتَابِهٖ وَلِقَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ))

اسی باب کی دوسری حدیث میں ہے:

وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((اَلْإِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا))(٤)

''رسول اللہ ﷺ ایک دن لوگوں میں ظاہر ہو کر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اللہ سے ملاقات ہونے پر اور اس کے رسولوں پر اور اس بات پر ایمان لے آئے کہ (مرنے کے بعد) تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

اور اُس شخص نے کہا: اے محمد (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے، تو آپؐ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو۔''

حدیث مبارکہ میں ایمانیات کے ان شعبوں کا ذکر آ گیا جو کہ اساسیاتِ ایمان ہیں: ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالآخرۃ، جن کو ہم ''ایمانِ مفصّل'' کے نام سے بھی جانتے ہیں۔

ایمانیات کا مقصد

ایمانیات کا اوّلین مقصد خالق سے اپنا تعلق مضبوط کرنا ہے اور اس مضبوطی کا سب سے مؤثر ترین ذریعہ خالق کے آگے اپنی انا کا بُت توڑ کر تسلیم جاں ہو جانا ہے، جس کو ہم عبادات

کے نام سے جانتے ہیں، جو کہ درحقیقت ایمان کے اظہار کا حقیقی اور بلا واسطہ ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی بے شمار مصروفیات کا ذکر کرنے کے باوجود، جو کہ عبادتِ خداوندی ہی کا مظہر تھیں، آپؐ کو خصوصی طور پر حضوریٔ رب کا بھی کہا گیا، اس بات کو سمجھانے کی خاطر کہ قربِ خداوندی کا وہ پہلو جس میں بندہ گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے رہتا ہے ہر حال میں مستحضر رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ دنیا کی دوڑ دھوپ کی تھکاوٹ اور بوجھ شوقِ عبادت کی آسودگی اور طمانیت میں تبدیل ہو جائے۔ مذکورہ حدیث میں عبادات کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔

اَخلاقیات

اسی طرح اخلاقیات کا شعبہ دین کی حقیقی تربیت اور عام چال چلن میں اس کی افادیت کے اظہار کا ذریعہ ہے، جس میں اس قدر مختلف النوع آداب و احکام کا ذکر ہے کہ جس پر صفحات کے صفحات لکھے جا چکے ہیں، یہاں تک کہ معلّمِ اخلاق نبی محترم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بھی مکارمِ اخلاق کی تکمیل بتلایا ہے: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))(٥) ''بے شک مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تکمیل کر سکوں''۔ اخلاقِ حسنہ کو بہترین اشخاص کا وصف قرار دیتے ہوئے فرمایا: ((اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحَاسِنَكُمْ اَخْلَاقًا))(٦) ''بے شک تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔''

اخلاق کیا کیا ہیں؟

قرآن و حدیث میں جن جن اخلاقی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: تقویٰ، عفت، پاکدامنی، حیا، خوش مزاجی، شجاعت، عدل و انصاف، قناعت، استقامت، تواضع، انکساری، سخاوت، صبر و شکر، حلم و بردباری، علم، نرم خوئی، توکّل، سچ، اخلاص نیت، توبہ، زہد و غناء، رضاء بر قضاء، محبتِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ، شوقِ شہادت، اکلِ حلال، وغیرہم۔

معاشرت اور سماج

دین کا وہ شعبہ جس میں معاشرہ سے واسطہ پڑتا ہے، جسے ہم معاشرت اور سماج کے نام سے جانتے ہیں، اس کا تانا بانا اپنے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور ان سب کے

حقوق کی کما حقہ ادائیگی ہی بہتر سے بہتر معاشرے کی تعمیر وتشکیل کی ضامن بن سکتی ہے۔مخلوقِ خدا کی معاشرتی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا :

((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ))(۷)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے' پس ساری مخلوق میں سے اللہ کے ہاں محبوب ترین شخص وہ ہے کہ جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آتا ہو۔''

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوبہ اعمال میں سے اہم ترین عمل وہ ہے جو اس کے بندوں سے جڑا ہوا ہے' یعنی حقوق العباد' جو کہ معاشرے کی حقیقی روح کے مانند ہیں۔اسی سبب حقوق اللہ کی معافی بہ نسبت حقوق العباد کے آسان ہے' کیوں کہ حقوق العباد کا تعلق براہِ راست اللہ کے بندوں سے ہے۔اسی عقدہ کو حل کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا اَهْلَ الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ))(۸)

''جو رحم کرنے والے ہوتے ہیں رحمٰن ان پر رحم فرماتا رہتا ہے' تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

مذکورہ احادیث اس امر کی وضاحت کو کافی ہیں کہ معاشرتی عروج وزوال کا انحصار آپس کے معاملات پر ہے۔جس قدر آپس میں ان صفاتِ عالیہ کو عام کیا جائے گا اسی قدر معاشرے کے حسن میں نکھار آتا جائے گا اور جتنا ان سے روگردانی کی جائے گی اتنا ہی یہ پھول سکڑ سکڑ کر بے رنگ و بو ہوتا جائے گا' اور پھر اس کے بعد معاشرہ چاہے عمارتوں کی تعمیر' رسمی چمک دمک اور سوٹ بوٹ کی حد تک ترقی پذیر شمار ہو' لیکن درحقیقت وہ زوال پذیر شمار ہوگا۔

معاشرتی اوصاف

وہ اعلیٰ اوصاف جن میں ہماری معاشرتی ترقی مضمر ہے: صفائی ستھرائی' اہلِ محلّہ کے حقوق' سواری کے حقوق' پڑوسیوں کے حقوق' رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک' زوجین کے حقوق' والدین کے حقوق' نکاح' مہر' طلاق' رضاعت کے معاملات' ستر پوشی' سلام کا رواج' اکرامِ مسلم' صلہ رحمی' آپس میں صلح کروانا' ضرورت مند کی مدد کرنا' مریض کی عیادت کرنا' وغیرہ۔

دینِ اسلام اور معاملات کی اہمیت

ان اساسیات کے بعد معاملات کی حیثیت بھی دین میں ایسی ہی ہے جیسی کہ دیگر اعمال کی۔آپس کے معاملات کو رسم و رواج اور اپنی انا کی بھینٹ چڑھانے کے بجائے ان کو بھی آسمانی ہدایات کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے' جن پر عمل پیرا ہونا' اس پُرفتن دور میں کہ جس میں دین کا تصورِ عمل نجی معاملات تک محدود ہوتا جا رہا ہے' زیادہ ضروری ہے' نیز اشاعتِ دین کی ایک کارگر صورت ہے۔کُتبِ فقہ میں دین کے وہ اَحکام جو کہ معاملات کے متعلق ہیں' بڑی ہی کثرت اور عرق ریزی کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں' جن پر سرسری نظر ڈالتے ہی یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ دین کے اَحکام کس قدر گہرائی اور گیرائی لیے ہوئے ہیں۔

اسی نکتہ کے متعلق دورِ حاضر کے عظیم فقیہ اور فقہ المعاملات کے عالمی متخصص مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

فكتاب البيوع فننتقل الآن اِلٰى باب عظيم من ابواب الدين وهو باب المعاملات (۹)

''سو کتاب البیوع' ہم لوٹ رہے ہیں ایسے باب کی طرف جو کہ دین کے عظیم ابواب میں سے ہے' اور وہ معاملات کا باب ہے۔''

معاملات کا باب ان امور پر مشتمل ہے جن کا تعلق ہماری معاشی' قانونی اور ذاتی زندگی سے ہے۔معاملات کے احکامات اکثر و بیشتر عدم التفات کا شکار رہتے ہیں' اس لیے ہم یہاں معاملات کے ان احکامات کو درج کرتے ہیں جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سابقہ پیش آتا رہتا ہے' جن میں زراعت' اجارہ' عاریت' امانت' قرض' وراثت' وصیت' ہدیہ' ہبہ' تحفہ تحائف' رہن' شرکت' مضاربت' تجارت' وکالت' کفالت' صلح' حقِ شُفعہ' مالِ وقف وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی سیاست وریاست

اسلامی ریاست ان تمام شعبہ جات کی بنیاد ہے جو کہ ذکر ہو چکے' اس اعتبار سے کہ یہ ان تمام پر انتظامی بالادستی کی حیثیت رکھتی ہے۔جس قدر ریاست منتظم رہتی ہے اسی قدر دیگر شعبہ جات متحرک رہتے ہیں' اور جیسے ہی ریاست مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اس کے اثرات سب کو مریض بنا دیتے ہیں' جس کا نتیجہ موت یا زوال ہی کی صورت میں نکلتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ریاستی احکام کے مخاطب حکمران اور ریاستی ادارے ہوتے ہیں۔ مقاصدِ شریعت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اکثر احکام ایسے ہیں جن کی تکمیل کے لیے ریاست کا ڈھانچہ انتہائی ضروری ہے‘ اور ریاست کا نظم وضبط ہی دراصل دین کے دیگر شعبہ جات کی ترویج وترقی کا ذریعہ بنتا ہے اور ان کی حفاظت اور فعالیت کو ممکن اور مؤثر بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی جامع اور ہمہ گیر صورت ہمیں سب سے پہلے ریاستِ مدینہ ہی کے قیام کے بعد نظر آتی ہے۔ ریاست کے مقصد اور اس کی اساسی درجہ بندی کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱﴾ (الحج)

’’یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں‘ زکوٰۃ ادا کریں‘ لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور بُرائی سے روکیں۔ اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔‘‘

اسی طرح ریاستی اختیارات کے حقیقی ماخذ اور مصدر کو بیان فرماتے ہوئے اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ﴾ (یوسف: ۴۰) ’’حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں‘‘۔ نیز ارشاد فرمایا: ﴿اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ﴾ (البقرۃ: ۳۰) ’’بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں‘‘۔ انسان تو درحقیقت خلیفہ اور جانشینی کا کردار ادا کرنے کے لیے آیا ہے اور اسی جانشینی کا حق اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کے مطابق احکامِ خداوندی کی بجا آوری کی صورت میں کرتا رہتا ہے۔ ٹھیک یہی صورت ریاست کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اس انداز سے ادا کرنی پڑتی ہے: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ (الشوریٰ: ۱۳) ’’تم دین کو قائم کرو‘‘ کے تحت اللہ کی سرزمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا پڑتا ہے۔

قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کی تفصیلات سے اسلامی ریاست کے لیے جو جو شعبہ جات ناگزیر ہیں وہ درج ذیل ہیں: جہاد‘ خارجہ امور‘ امن وامان‘ امورِ داخلہ‘ پولیس‘ بیت المال‘ نظامِ قضاء‘ عدالتیں‘ نظامِ زکوٰۃ‘ اقامتِ صلوٰۃ‘ امر بالمعروف ونہی عن المنکر‘ شورائی نظام‘ اطاعتِ امیر‘ وغیرہ۔

ان تمام کے متعلق مستقل احکامات اور تجاویز موجود ہیں‘ جن کا احاطہ یہاں طوالت کو لازم ہے۔ ان سب اعمال پر عمل کرنے کی حقیقی صورت اسلامی ریاست ہی کی صورت میں مدد ومعاون ثابت ہوگی‘ ورنہ ریاست کے اسلامی نہ ہونے کی صورت میں مفید تو بہرحال رہے گی لیکن خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوسکیں گے کہ جن سے مقاصدِ شریعت کا بالکلیہ حصول ممکن ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر کی اطاعت کو قرآنِ کریم میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر مبارک کے ساتھ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾ (النساء: ۵۹)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں ان کی بھی۔‘‘

یہ بتانے کے لیے کہ ریاستی امور کا دار ومدار کس قدر سنگینی کا حامل ہے۔

حواشی

(۱) تفسیر ابن کثیر‘ البقرہ: ۲۰۸۔
(۲) مقدمہ حجۃ اللّٰہ البالغہ‘ ص ۳۲‘ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ۔
(۳) مقدمہ تعلیم الدین‘ از مولانا اشرف علی تھانویؒ‘ مطبوعہ دار الاشاعت۔
(۴) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب الایمان والاسلام والاحسان۔
(۵) مجمع الزوائد للهيثمی ۱۸/۹۔ السلسلة الصحيحة للالبانی‘ ح ۴۵۔
(۶) صحیح مسلم‘ كِتَابُ الْفَضَائِلِ‘ بَابُ كَثْرَةِ حَيَائِهٖ ﷺ۔
(۷) شعب الإيمان للبيهقی۔
(۸) سنن ابی داوٗد‘ كِتَابُ الْاَدَبِ‘ بَابٌ فِي الرَّحْمَةِ۔
(۹) تکملہ فتح الملہم‘ کتاب البیوع‘ ج ۱‘ ص ۳۰۰‘ مکتبہ دارالعلوم کراتشی۔

❁❁❁

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کریں

اسلامی جماعتیں اور تحریکیں توجّہ فرمائیں!

پاکستانی سکولوں میں بچوں کو کیا پڑھایا جارہا ہے؟

نصابی کتابوں میں انسانی حقوق کے منشور کی تعلیم کے اثرات تباہ کن ہوسکتے ہیں

پروفیسر سیّد خالد جامعی

ہم نے بارہا لکھا ہے کہ مغرب سے اصل جنگ آزادی کے عقیدے کی جنگ ہے۔ آزادی کے عقیدے کا انکار کیے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ توہینِ رسالت ﷺ کا اصل سبب آزادی کا عقیدہ ہے' اس کے خلاف جنگ ہونی چاہیے۔ اسلامی تحریکوں' مذہبی جماعتوں بلکہ پورے عالمِ اسلام کو منشورِ انسانی حقوق کے عقیدۂ آزادی کا انکار کر دینا چاہیے کہ تمام فتنے اسی سے پیدا ہورہے ہیں۔ پاکستان میں ۱۹۸۵ء سے اب تک توہین رسالت کے پانچ ہزار مقدمات کا اندراج آزادی کے عقیدے کا نتیجہ ہے۔ یہ عقیدہ ہمیں اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے لیکن اس کی تنقید نہیں پڑھائی جاتی۔ ساتویں جماعت کے نصاب میں بچوں کو ''ہیومن رائٹس'' پڑھائے جارہے ہیں۔ Peak Publishing کمپنی کی کتاب Social Studies for Today (vol.2) کو پڑھیے' یہ کتاب پاکستان کے کئی اسلامی اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہے' اس کا آٹھواں باب ہے: Our Rights and Responsibilities۔ اس میں ذیلی سرخی ہے: What are Human Rights?۔ اس سرخی کے بعد بتایا گیا ہے کہ ''ہر شخص کو مکمل آزادیٔ اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے۔ ہر شخص کو مذہب بدلنے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو ہر جگہ جانے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو کسی کے ساتھ بھی باہمی رضامندی سے تعلق (association) رکھنے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو تنقید کی مکمل آزادی ہے۔''

آزادی کے یہ اسباق پڑھنے کے بعد اگر نوجوان سیکولر' لبرل ہورہے ہیں تو کیا غلط ہے؟ نوجوان پوچھ رہے ہیں کہ مکّہ مدینہ میں غیر مسلم کیوں نہیں جاسکتے؟ ہندو اور قادیانی سے شادی

کیوں نہیں ہوسکتی؟ دین پر تنقید' اعتراض کی آزادی کیوں نہیں ہے؟ اسکولوں میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان پڑھانے والے اساتذہ کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ایک سادہ جواب یہ بھی ہے کہ کیا اس منشورِ حقوقِ انسانی پر تنقید کرنے کی' اسے مسترد کرنے کی' اس کے خلاف بغاوت کرنے کی آزادی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ مگر اسلامی اسکولوں میں یہ بھی نہیں بتایا جارہا۔

علماء انسانی حقوق کے منشور کی حقیقت سے واقف نہیں

نوجوان نسل کو اسکولوں میں کیا پڑھایا جارہا ہے؟ علماء اس سے واقف ہی نہیں۔ اگر واقف ہیں تو ان سوالات و مسائل سے واقف نہیں' اور اگر ان سوالات سے واقف ہیں تو ان کے جوابات سے ناواقف ہیں۔ کسی دینی مکتبِ فکر کی جانب سے منشور انسانی حقوق کی تکفیر' تردید' تنقید ہمارے علم میں نہیں۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اس مسئلے پر ایک کتابچہ لکھا ہے' اس میں منشور کی ایک دو شقوں سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ لیکن حضرت والا کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس منشور کی اساس Federalists Papers ہیں۔ یہ منشور امریکی صدر 'روز ویلٹ' کی اہلیہ 'ایلینا روز ویلٹ' کی کوششوں سے تیار ہوا ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ منشورِ حقوقِ انسانی میں کسی ایک جگہ بھی خدا' آخرت' رسالت' گناہ' ثواب' عذاب کا سرے سے ذکر ہی نہیں' لیکن اس کے باوجود راشدی صاحب کو اس منشور میں بہت کچھ اسلام کے مطابق نظر آگیا ہے۔ منشور میں صرف فرد کے حقوق ہیں' کسی اجتماعیت کے حقوق نہیں ہیں۔ کیونکہ منشور سول سوسائٹی' آزاد معاشرے کے لیے وجود میں لایا گیا ہے' جہاں صرف فرد' ریاست اور مارکیٹ ہوتی ہے۔ جہاں تمام مذہبی' غیر مذہبی اجتماعیّتوں کا خاتمہ' انفرادیت پسندی' آزادی' ترقی اور مساوات کے ذریعے ہوجاتا ہے۔ حضرت والا ان فلسفیانہ مباحث سے واقف ہی نہیں۔

لیکن راشدی صاحب معذور ہیں' کیوں کہ مشتاق احمد کی کتاب ''جہاد' مزاحمت اور بغاوت'' کے پیش لفظ میں وہ خود اعتراف کرچکے ہیں کہ ''مثلاً یہ کہ میں انگریزی سے نابلد ہوں جو بین الاقوامی قوانین کے اصل ماخذ تک رسائی کے لیے ضروری ہے۔ میرا ذہن صرف اصولوں کے استنباط و تعین اور کسی حد تک ان کی تطبیق کے دائروں تک محدود رہتا ہے۔ مطالعہ کا وہ تسلسل مصروفیات اور مزاج دونوں حوالوں سے یہ میرے بس کی بات نہیں''۔ (مشتاق احمد'

''جہاد' مزاحمت اور بغاوت'' الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ' ص ۱۷' ۲۰۰۸ء)

راشدی صاحب نہ انگریزی سے واقف ہیں' نہ فلسفے سے واقف ہیں' نہ مطالعہ ان کے بس کی بات ہے۔ اس کے باوجود وہ ان کتابوں کے دیباچے لکھ دیتے ہیں جن کتابوں کے مصادر' مآخذ' حقیقت' روح' جوہر' مابعد الطبیعیات' ایمانیات' حرکیات سے وہ واقف ہی نہیں ہیں۔ یہ عہدِ حاضر کے اہلِ علم ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی اُس زمانے میں چھ سو میل کا سفر طے کر کے آیا' چالیس سوال پوچھے۔ آپؒ نے صرف آٹھ سوالات کا جواب دیا۔ بقیہ بتیس سوالوں کے جواب میں فرمایا: "لا أدری"۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب جب انگریزی سے' فلسفے سے' مغرب سے واقف نہیں تو وہ ان موضوعات و مباحث پر کوئی رائے نہ دیں' لکھ دیں "لا أدری"۔ لیکن علماء کے حلقے میں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بھی مغرب کو جانتے ہیں اور مغرب پر نقد کر سکتے ہیں' انسانی حقوق کے منشور اور عالمی بین الاقوامی قوانین پر غلط سلط رائے دیتے رہتے ہیں۔ ان کی کتاب ''اسلام' جمہوریت اور پاکستان'' PIPS نے شائع کی ہے' جو ایک غیر علمی کتاب ہے۔ موصوف جمہوریت کے مآخذ' مصادر سے ناواقف ہیں' لیکن جمہوریت عصر حاضر کا اہم موضوع ہے' لہٰذا حضرت نے اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ عمار ناصر صاحب نے اسے علمی تحفہ' نادر شہ پارۂ علم سمجھ کر مرتب کر دیا اور امریکی امداد سے چلنے والے عامر رانا کے ادارے نے اسے شائع بھی کر دیا اور مفت میں تقسیم بھی کر دیا۔

منشورِ انسانی حقوق کی تنقید لازماً پڑھائی جائے

ہماری درخواست دینی جماعتوں' اسلامی اسکولوں سے یہ ہے کہ اسکول' کالج' مدرسے' یونیورسٹی میں اگر منشورِ انسانی حقوق کے اسباق پڑھائے جا رہے ہیں تو آپ اس کی تنقید ہی پڑھا دیں' لیکن ہم تو اس منشور پر ایمان لا چکے ہیں اور بعض علماء اسے اسلام اور خطبہ حجۃ الوداع سے ثابت کر رہے ہیں۔ ''ہیومن رائٹس'' جب اسکولوں کے نصاب میں شامل کر لیا گیا اور بچوں کو پڑھا دیا گیا اور اس ''منشورِ انسانی حقوق'' کے کفر سے بچوں کو آگاہ بھی نہیں کیا گیا تو جو بچے مطلق آزادی کے اصول کو پڑھ کر عملی زندگی میں آئیں گے اور تمام انسان اس منشور کی روشنی میں برابر (equal) ہوں گے تو وہ رسالت مآب ﷺ کو اپنے برابر' اپنے جیسا سمجھیں گے یا اپنے سے برتر؟ جب وہ پڑھیں گے کہ ہر شخص کو اپنے ہر قسم کے خیالات' افکار' جذبات پیش

کرنے' پھیلانے کی اور کسی پر بھی تنقید کرنے کی آزادی ہے اور ہر شخص جب چاہے' جو چاہے مذہب اختیار کرنا چاہے' اختیار کر سکتا ہے اور اختیار کردہ مذہب میں جو چاہے ترمیم کر سکتا ہے' جس سے مرضی چاہے شادی کر لے' خواہ اس کا مذہب' نسل کوئی بھی ہو' تو ہماری نئی نسل کیا کرے گی؟ اس کے کفر کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

غلو فی التکفیر بھی ممکن ہے اور سہو فی التکفیر بھی ممکن ہے' مگر یہاں تو حال یہ ہے کہ منشور کی تکفیر ہی نہیں کی جا رہی' نہ کوئی تنقید ہو رہی ہے۔ نہ منشور پر تفکیر ہو رہی ہے۔ اسے پورے عالمِ اسلام میں نہایت عزت سے دیکھا جا رہا ہے اور اس کی احمقانہ مذہبی توجیہات پیش کی جا رہی ہیں۔ عالمِ عرب اور ہندوستان اس کام میں سب سے آگے ہیں۔

اے لیول' او لیول کی لڑکیوں کے سوالات

مسئلہ صرف انسانی حقوق کے منشور کی تعلیم پر ختم نہیں ہو جاتا۔ اے لیول' او لیول اسکولوں میں اسلامیات کے نصاب میں ایسی کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں جن سے پوری اسلامی تاریخ اور اسلامی علمیت پر سوالات' شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی نعوذ باللہ concubine تھیں۔ لڑکیاں اسلامیات کے اساتذہ سے سوال پوچھتی ہیں: کیا واقعی ایسا تھا؟ لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ کچھ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ scx slavc تھیں۔ طالبات اس پر بھی سوالات پوچھتی ہیں مگر انھیں کوئی جواب نہیں ملتا۔ اسلامیات کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں' اس لیے آپ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔

فیلڈ مارشل ایوب خان نے ایک مرتبہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو بلا کر یہی سوال کیا تھا کہ ایک انگریزی کتاب میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو concubine کیوں لکھا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب لے کر آؤ۔ قریشی صاحب نے حسن مثنیٰ ندوی اور مولوی عبد القدوس ہاشمی کو طلب کیا اور بتایا کہ ایوب خان سخت ناراض ہیں' اس کا جواب مانگا ہے۔ دونوں حضرات دن رات تحقیق کرتے رہے اور آخر میں ایک مقالہ حسن مثنیٰ ندوی نے تیار کیا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسالت مآب ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں' آپ ﷺ کی اہلیہ تھیں۔ یہ واقعہ خود حسن مثنیٰ ندوی نے ہمیں سنایا۔ افسوس ہے کہ اکیسویں صدی میں ہم ایسے جاہلانہ

سوالات کا جواب بھی نہیں دے سکتے! غلط سلط تحقیقات پیش کر کے غلام احمد پرویز کی طرح لوگوں کو مطمئن کر دیتے ہیں۔

مطالعۂ پاکستان میں کیا پڑھایا جا رہا ہے؟

مطالعۂ پاکستان میں مسلمان بادشاہوں کے واقعات کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ طلبہ بادشاہوں اور بادشاہت سے نفرت کرنے لگتے ہیں' لیکن ان کتابوں میں جمہوریت کی خونی تاریخ پر ایک لفظ نہیں لکھا جاتا۔ مثلاً شاہ جہاں کے بارے میں اورنگ زیب کے طرزِ عمل کو کتاب میں اس طرح لکھا گیا ہے جیسے اورنگ زیب ایک بہت ظالم حکمران تھا جس نے اپنے بھائی کو جان بوجھ کر اقتدار کے لیے قتل کر دیا تھا۔ میدانِ جنگ کے واقعات کو غلط تناظر دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ اورنگ زیب نے باپ کو پینے کا پانی بھی نہیں دیا اور جب باپ نے دہائی دی تو اس نے مختصر جواب میں کہا: "It is your own fault" کتاب میں تمام تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے صرف یہ لکھا ہے کہ بے گناہ شاہ جہاں جو اورنگ زیب کا باپ تھا' آگرہ کے قلعہ میں نظر بند تھا اور پھر بتایا گیا کہ وہ اپنے اپارٹمنٹ سے حسرت کے ساتھ تاج محل کو دیکھتا رہتا تھا۔

"His eyes fixed on Taj Mahal which he could see from his apartment."

پہلے قلعہ (fort) کا ذکر ہوا' پھر قلعے کو مصنف نے ایک ہی لمحے میں apartment میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد کتاب میں ایک تصویر دے دی' ایک جھروکا ہے جس سے تاج محل نظر آ رہا ہے۔ اس تصویر کو غم انگیز اور درد انگیز بنانے کے لیے عبارت لکھی گئی:

"The view from Shah Jehan prison looking towards Taj Mahal."

داراشکوہ کے عقائد' سازش' جنگ' اورنگ زیب کو قتل کرنے کی کوشش اس تمام پس منظر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ شاہ جہاں کو ممتاز محل سے بہت محبت تھی' لہٰذا شاہ جہاں کو خاص طور پر تاج محل کے قریب رکھا گیا تھا۔ مگر تحریر اور تصویر اورنگ زیب کے رویے کو ظالم بتا رہی ہے۔ تاریخ کیسے پڑھائی جائے؟ تاریخی واقعات کس طرح سمجھائے جائیں' یہ خود ایک نہایت اہم موضوع ہے' جس پر غور و فکر ضروری ہے۔

ہماری کتابوں میں بچوں کو یہ کچھ پڑھایا جا رہا ہے اور اس کا جواب ہمارے اساتذہ کے پاس نہیں ہے۔ نہ نصابی' تحقیقی' تعلیمی ادارے اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ بچے جب تاریخ' مطالعہ پاکستان' اسلامیات پڑھتے ہیں تو ان کے ذہن میں بے شمار سوالات' شبہات اور اشکالات متن میں بچھی ہوئی بارودی سرنگوں کے ذریعے پیدا کر دیے جاتے ہیں کہ استاد بھی ان سے لاعلم ہوتا ہے۔ اس پر بھی غور و فکر ضروری ہے کہ بچوں کو اسلامیات' تاریخ' تاریخِ پاکستان اور تاریخِ اسلام کیسے پڑھائی جائے؟

اساتذہ' دینی اسکولوں اور نصابی تحقیقاتی اداروں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام سوالات کا ایک Data Bank بنائیں اور اہلِ علم سے رجوع کر کے ان کے جوابات لکھوائیں۔ آج کا طالب علم جب اپنی تہذیب' علمیت' اسلام اور تاریخ کے بارے میں یہ کچھ پڑھے گا تو وہ لبرل ہوگا یا مسلمان؟ اسے اسلامی تاریخ سے محبت ہوگی یا نفرت؟ وہ اپنے ماضی پر فخر کرے گا یا شرم سے پانی پانی ہوگا؟

''منشورِ انسانی حقوق'' میں بیان کردہ حقوق' اللہ کی طرف سے آئے ہیں؟

یہ حقوق کہاں سے آئے ہیں؟ اس بارے میں کچھ پتا نہیں۔

ساتویں جماعت کی اسکول کی کتاب میں ''منشورِ انسانی حقوق'' کا خالق امریکہ کو بتایا گیا ہے۔ USA کا اعلانِ آزادی ۱۷۷۶ء اس منشور کی بنیاد بنا۔ بچوں کو اس باطل منشورِ انسانی حقوق کے ماخذ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ حقوق خالقِ کائنات خدا کی طرف سے آتے ہیں' یعنی ''منشورِ انسانی حقوق'' کے کفر کا ماخذ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ہے۔

"That rights come from The Creator God." (p.113)

سبق میں لکھا ہے:

"Where do human rights come from?" (p.113)

اس سوال کے جواب میں کہ انسانی حقوق کہاں سے آتے ہیں؟ پہلے کتاب بتاتی ہے کہ خدا کے یہاں سے۔ پھر اس کے بعد بتاتی ہے کہ اس سوال کا کوئی مطلق (Absolute) جواب موجود نہیں' بس مختلف نظریات' خیالات اور افکار ہیں۔

"There is no definite answer to this question, only

theories...."(Doreen Crawford Social Studies for Today-2, Peak Publishing London, p.113, Pakistan Edition 2017)

حقوقِ انسانی کہاں سے آئے' کچھ معلوم نہیں۔ مختلف نظریات (ideas) ہیں۔ البتہ امریکی اعلانِ آزادی بتاتا ہے کہ یہ حقوق خدا کے پاس سے آئے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان قرآن کو انسانی حقوق کا ماخذ ثابت کرتے ہیں۔ ان عبارتوں سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ انسانی حقوق کے منشور کا ماخذ اللہ اور اسلام ہے۔ یہی اس کتاب کا اصل مقصد ہے' یعنی منشور کے ماخذ پر' حقوق پر' امریکہ' اسلام اور پوری دنیا' پوری انسانیت متفق ہے۔ اسکول کے نصاب میں ''منشورِ انسانی حقوق'' کے بارے میں اتنے تضادات موجود ہیں' لیکن اسکول کے اساتذہ ان تضادات کو بھی واضح نہیں کر سکتے۔ وہ خود اس منشور سے مرعوب ہیں اور اسے عین اسلامی سمجھتے ہیں۔

اوباما نے اپنی تقریر میں 'آزادی' کا اصل مطلب بتایا

کیا اسکولوں میں اوباما کی تقریر پڑھائی جاتی ہے؟

مشال خان کے قتل پر راقم نے مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی خدمت میں صدر اوباما کی اقوام متحدہ میں توہینِ رسالت کے حق میں تقریر کا متن پیش کر کے پوچھا تھا: حضرت اس کا حکم کیا ہے؟ اس تقریر کی روشنی میں مغرب سے عالَمِ اسلام کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوگی؟ نئی ''کتاب السیر'' مرتب کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اوباما کے اس فتوے پر اسلام کا فتویٰ کیا ہوگا؟ ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ حالانکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ تک سب کا اجماع ہے کہ تکفیر حکم شرعی ہے' لیکن ہم اس میں بھی مداہنت برتنے لگے ہیں۔

صدر اوباما نے اقوام متحدہ میں ترکی کے 'عظیم' خلیفہ طیب اردوان' مصر کے محمد مرسی' ایران کے انقلابی صدر احمدی نژاد' اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر آصف زرداری کے سامنے اعلان کیا کہ:

''آزادی پوری دنیا کا عقیدہ ہے' سب اس عقیدے کو مانتے ہیں' یہ عالمی' آفاقی عقیدہ ہے۔ منشورِ انسانی حقوق میں آزادی کے عقیدے کے مطلب میں رسول (ﷺ) کی توہین کی آزادی بھی شامل ہے' اور توہینِ رسالت کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ توہین

رسالت کی اور آزادی دو' اور آزادی دو!''

امریکی صدر کی یہ تقریر تمام انقلابی مسلم حکمرانوں نے سنی' سب خاموش رہے۔ یہ ہے آزادی کا مطلب۔ کیا ''منشورِ انسانی حقوق'' میں 'آزادی' کا یہ مطلب اسلامی اسکولوں میں پڑھایا جا رہا ہے؟

انسانی حقوق بنانے اور مسلّط کرنے والی قوموں نے دنیا پر کتنے مظالم کیے اور کیوں کیے؟

ساتویں جماعت میں ان کافرانہ عقیدوں کو پڑھنے اور ان کو ایک عالمگیر سچائی تسلیم کرنے کے بعد کیا بچے کا دین' ایمان' عقیدہ' اسلام رہ سکتا ہے؟ علماء اور مذہبی جماعتیں ان مباحث سے بالکل لاتعلق ہیں۔

ایک جانب مغرب کو انسانی حقوق کا علمبردار ثابت کیا جا رہا ہے' کیونکہ ساتویں جماعت کی اس کتاب میں انسانی حقوق کے منشور کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ اس منشور نے انسانوں کو ظلم و استیصال سے بچایا ہے۔ مگر کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ اس منشور کی بنانے والی قوموں نے اور دنیا بھر پر اس کو مسلّط کرنے والوں نے دنیا پر کتنے مظالم کیے ہیں اور کیوں کیے ہیں؟ انسانی حقوق کے نام پر اربوں لوگوں کا قتل عام کیا گیا ہے۔ مغرب کی لبرل اقوام نے دنیا کے ساتھ کیا کیا؟ لبرل ازم اصلاً دہشت گردی ہے۔ دہشت گردی کے لیے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں' وہ تو taken for granted ہے۔

اسی اصول کے تحت امریکہ اور تمام مغربی استعماری قوموں نے گزشتہ پانچ سو سالوں میں دنیا میں تاریخ انسانی کی سب سے بدترین دہشت گردی کی ہے۔ حیرت ہے کہ یونیورسٹی میں پڑھنے والوں کو بلکہ اسلامی تحریکوں کو بھی لبرل ازم کا یہ چہرہ نہیں معلوم!

وہ شخص پاگل ہے جو کام نہ کرے اور پیسے نہ کمائے!

لبرل ازم کا سب سے بڑا سیاسی فلسفی جان رالز کہتا ہے: ''عورتوں کو عورتوں والے کام کرنے سے روکنے کا طریقہ جبر و تشدد اور ظلم نہیں' اسے بس مرد جیسا بنا دو۔ یہ کام' تعلیم' ترقی اور نوکری کرے گی تو خود ہی عورت والے کام ختم کر دے گی' اس سے معاشی ترقی ہوگی۔ یہ عورت

خود بچہ نہیں پیدا کرے گی‘‘۔ وہ لبرل ازم جس کا ’’منشورِ حقوقِ انسانی‘‘ آزادی‘ مساوات‘ ترقی کے عقیدوں میں مبتلا کر کے عورت کو بچہ پیدا نہ کرنے پر اُکسا رہا ہے‘ مجبور کر رہا ہے‘ اس پر اسلامی اسکولوں میں کوئی تنقید نہیں ہو رہی۔ جان رالز نے اپنی کتاب میں اس صورت حال کا بہترین تجزیہ کیا ہے کہ عورت کو بچے پیدا کرنے سے کیسے روکو‘ اسے مرد جیسا بنا دو! جدید تعلیم‘ جدید ریاست‘ آزادی‘ مساوات ترقی کے ذریعے رالز کے لبرل ازم کو مسلّط کر رہی ہے۔ پوری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ عورت تعلیم حاصل کرتی ہے‘ نوکری کرتی ہے‘ گھر سے نکلتی ہے اور بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی کہ آزادی اور ترقی متأثر ہوتی ہے۔ اسے تعلیم اور نوکری پر کون مجبور کر رہا ہے؟ لبرل معاشرے لبرل ریاست اور منشورِ حقوقِ انسانی کے تحت لوگوں کو ’’عبد‘‘ (اللہ کا نیک بندہ) بنانے کی بجائے ’’انسان‘‘ بننے پر مجبور کرنے کا جبری طریقہ تعلیم اور نوکری ہے۔ اسی لیے اس صدی کا سب سے بڑا فلسفی فوکالٹ لکھتا ہے کہ ’’کام کا نہ ہونا پاگل پن (madness) ہے‘‘ اور مغرب میں کام (work) کا مطلب وہ عمل ہے جس سے آمدنی‘ سرمایہ‘ capital پیدا ہو۔ کیونکہ جان رالز نے لکھا ہے کہ وہ شخص اپنی نظروں میں خود عزت کے قابل نہیں ہے‘ اگر اسے چار بنیادی خیر حاصل نہ ہوں:

۱) آمدنی (income) ۲) دولت (wealth)

۳) قوت (power) ۴) اقتدار (authority)

اگر عورت گھریلو ہے‘ گھر کے کام کرتی ہے تو اسے ورکر (worker) تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ پاگل ہے جو سرمایہ نہیں کماتی۔ اسی لیے ایسی عورت ورکنگ وومن (working woman) نہیں کہلاتی۔

کیا اسلامی جماعتیں‘ ان کے مفکرین‘ تعلیمی ادارے‘ ان کے consultants‘ آفاق‘ CEF, ERDC سب دیگر کاموں میں مصروف رہیں گے یا ان مسائل پر بھی کچھ لکھیں گے؟ اسلامی‘ تحقیقی‘ علمی نصابی کام کرنے والے اداروں کو جدید ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات‘ سوالات کی فہرست تیار کر کے اہلِ علم سے ان کے جوابات لکھوائے جا سکتے ہیں۔ خصوصاً ’’منشورِ انسانی حقوق‘‘ کی سادہ‘ سہل‘ عام فہم تنقید پر مشتمل کتابچے‘ guides اساتذہ کے لیے تیار کر کے ان کی باقاعدہ تربیت کرنی چاہیے۔ یہ فکری کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

’’منشورِ حقوقِ انسانی‘‘ میں جس ’انسان‘ کو حقوق (rights) دیے گئے ہیں اس ’انسان‘ کی تعریف پہلے کانٹ نے اپنے مضمون "What is enlightenment" میں پیش کر دی ہے۔ ’’حقوقِ انسانی صرف اس انسان کے لیے ہیں جو ’مذہبِ حقوقِ انسانی‘ کو مانتا ہے‘ اور جو اس مذہب کو نہیں مانتا‘ اس کے کوئی حقوق نہیں ہیں‘‘۔ کانٹ جدید‘ روشن خیال انسان اُسے سمجھتا ہے ’’جو اللہ‘ کتاب اللہ‘ وحی‘ عالم دین سے علم حاصل کرنے کا محتاج نہیں‘ جو علم میں خود کفیل ہے۔ جو ہدایت روشنی کے لیے اپنے سے باہر نہیں‘ اپنے اندر دیکھتا ہے‘‘۔ لہٰذا کانٹ نے صرف عقلیت اور تجربیت کے حاصل کو علم قرار دیا اور میٹافزکس کے علم کو جہالت قرار دیا۔ عہدِ حاضر کی جدید ریاست اسی لیے صرف تعلیم یافتہ‘ ترقی یافتہ انسان پیدا کرتی ہے‘ ہدایت یافتہ انسان پیدا نہیں کرتی۔ اسی لیے یہ ہدایت سے محروم انسان یورپ‘ امریکہ‘ چین‘ بھارت میں بوڑھے ماں باپ کو گھر سے باہر نکال کر سڑکوں پر یا اولڈ ہوم میں پھینک رہا ہے۔ چین اور بھارت میں اسی لیے "Parents Protection Act" بنائے گئے ہیں۔ یہ جدید تعلیم‘ ترقی‘ آزادی کا نتیجہ ہے۔

کانٹ کی طرح فوکالٹ نے بھی جدید انسان پر روشنی ڈالی ہے‘ وہ بھی پڑھ لیجیے۔ اس کے خیال میں روشن خیال انسان‘ حقیقی انسان اور عہدِ روشن خیالی کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان اور اس کا عہد‘ عہدِ تنقید (Age of the Critique) ہے۔ یہ ایمان و یقین کا نہیں‘ اعتراض‘ تنقید‘ سوال‘ شبہ‘ شک کا دور ہے‘ جس سے علم بڑھتا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ ’البرہان‘ لاہور‘ اکتوبر ۲۰۱۸ء)

❁❁❁

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر
کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے

اسرائیل کو کیوں تسلیم کیا جائے؟

محمد ندیم اعوان (پشاور)☆

ہمارے اکثر و بیشتر وہ دانشور حضرات جن کی آنکھوں کی بینائی کو مغرب کی چکاچوند نے ختم کر دیا ہے اور آئے روز عوام کو مغرب کی غلامی کا قلادہ پہننے کا درس دیتے آئے ہیں' گزشتہ دو تین عشروں سے قومی اخبارات میں مغرب کے ناجائز بچے ''اسرائیلی ریاست'' کو تسلیم کیے جانے پر وقتاً فوقتاً خامہ فرسائیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حب الوطنی سے عاری اور مغرب سے مرعوب دانشوروں کا یہ روشن خیال طبقہ اُس وقت کا بڑی بے تابی سے منتظر ہوتا ہے کہ کوئی شوشہ اٹھے اور اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے اپنی تجاویز پیش کریں۔ انھیں غاصب اسرائیلی ریاست کے حق میں اپنے دلائل پیش کرنے کی بڑی جلدی ہوتی ہے۔ اپنے غیر منطقی دلائل اور تجاویز کے ذریعے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں بھارت کی طرح اسرائیل کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے اور تراش خراش کر یہ جواز گھڑے جاتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر اور اکثر مسلم ممالک چونکہ اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں اس لیے ہمیں بھی ''اعلیٰ ظرفی'' کا ثبوت دیتے ہوئے دوستی کا ہاتھ بڑھا دینا چاہیے' جس کے نتیجے میں ہم بین الاقوامی سطح پر ''مسئلۂ فلسطین'' کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکیں گے اور اس پر مستزاد اسرائیل کی ٹیکنالوجی سے بھی مستفید ہو سکیں گے' چنانچہ ہندو بنیا کی بہ نسبت اسرائیل کو تسلیم کرنے میں نہ کوئی حرج ہے' نہ نقصان۔

مجھے حیرت ہوتی ہے ایسے دانشوروں پر جنھیں بحیثیت مسلمان فلسطینیوں کی حمایت کرنی چاہیے تھی' عالمی سطح پر اُن کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے تھی' انسانی حقوق کی آڑ میں انسانیت کو فنا کے گھاٹ اتارنے والوں کے خلاف متحد ہو کر عملاً انسانی حقوق کی بحالی کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے تھی — لیکن نہیں' کیونکہ اِن کے نزدیک فلسطینیوں پر ظلم و ستم اُن کا مسئلہ ہے ہمارا نہیں' اس لیے ہمیں تو ترجیحی بنیادوں پر اپنے ملک کے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

nts143043@gmail.com ☆

اِن حضرات سے یہ توقع تو ہرگز نہیں رکھی جا سکتی کہ کسی موقع پر فلسطینیوں کے موقف کی حمایت کریں گے' کیونکہ اِن کی نظر میں اسلامی رشتے کی کوئی وقعت نہیں۔ اِن کو تو بس ایک ہی سبق سکھایا گیا ہے کہ دنیا میں بس ایک ہی مہذب ملک ہے ''امریکا'' جو ان کا خدا بھی ہے اور ان کا رازق اور مشکل کشا بھی' البتہ اسرائیل میں فلسطینیوں کی آبادیوں پر قبضہ کرنے والے یہودیوں کی مظلومیت کا ڈھنڈورا ضرور پیٹتے ہیں اور اُس کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔ کیا انھیں اسرائیل کے ''بابائے قوم'' ڈیوڈ بن گوریان کا وہ خطاب یاد نہیں جس میں اس نے اپنے قریب ترین نظریاتی کارکنان کو مخاطب کر کے پاکستان کو اپنا نظریاتی دشمن ڈکلیئر کیا تھا۔ میں اپنے مضامین میں کئی بار اس اقتباس کا حوالہ دے چکا ہوں' لیکن یاددہانی کے لیے ایک بار پھر تکرار کو ضروری سمجھتا ہوں۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب اسرائیل کو فتح ہوئی تو کامیابی کا جشن منانے کے لیے اسرائیل کے پہلے وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے پیرس (فرانس) کا انتخاب کیا اور سار بون یونیورسٹی میں ممتاز یہودیوں کے ایک اجتماع سے تقریر کرتے ہوئے کہا:

The World Zionist Movement should not be neglectful of the dangers of Pakistan to it. And Pakistan now should be its first target, for this ideological state is a threat to our existence. And Pakistan, the whole of it, hates the Jews and loves the Arabs. This lover of the Arabs is more dangerous to us than the Arabs themselves. For that matter, it is most essential for the world Zionism that it should now take immediate steps against Pakistan. Whereas the inhabitants of the Indian peninsula are Hindus whose hearts have been full of hatred towards Muslims, therefore, India is the most important base for us to work there from against Pakistan. It is essential that we exploit this base and strike and crush Pakistanis, enemies of Jews and Zionism, by all disguised and secret plans.....

''بین الاقوامی صہیونی تحریک کو کسی بھی طرح اپنے لیے پاکستان کے خطرات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے اور پاکستان اب اس کا اوّلین ہدف ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ نظریاتی ریاست ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ (پاکستان کا ذہنی و فکری سرمایہ اور جنگی و

عسکری قوت و کیفیت آگے چل کر کسی بھی وقت ہمارے لیے باعثِ مصیبت بن سکتی ہے۔) پاکستان کُل کا کُل یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتا ہے۔ عربوں سے محبت کرنے والا یہ ملک ہمارے لیے خود عربوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ چنانچہ عالمی صہیونیت کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری طور پر اقدامات کرے۔ جبکہ جزیرہ نمائے ہند کے رہنے والے ہندو ہیں' جن کے دل مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے خلاف کام کرنے کے لیے بھارت ہمارے لیے اہم ترین اڈہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ہمارے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس اڈے کو اپنے تصرف میں لا کر فائدہ اٹھائیں اور اپنے تمام خفیہ اور پوشیدہ منصوبوں کے ذریعے پاکستانیوں کو نشانہ بنا کر انہیں نیست و نابود کر دیں جو یہودیوں اور صہیونیت کے دشمن ہیں۔ بھارت سے دوستی ہمارے لیے نہ صرف ضروری ہے بلکہ مفید بھی ہے۔ ہمیں اس تاریخی عناد سے لازماً فائدہ اٹھانا چاہیے جو ہندو پاکستان اور اس میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی دشمنی ہمارے لیے زبردست سرمایہ ہے' لیکن ہماری حکمت عملی ایسی ہونی چاہیے کہ ہم بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ ہی بھارت کے ساتھ اپنا ربط وضبط رکھیں۔'' (یروشلم پوسٹ' ۱۹ اگست ۱۹۶۷ء)

اسی طرح ۲۷ مئی ۱۹۸۸ء کی تاریخ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے جب اسرائیلی طیاروں نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کی غرض سے بھارت کی طرف پرواز کی۔ سعودی عرب نے اسرائیلی طیاروں کی نقل و حرکت کے بارے میں پاک فضائیہ کو اطلاع دی۔ پاکستان کی مسلح افواج نے پاکستان میں موجود بھارتی سفیر سے چھان بین کرنے کی کوشش کی' لیکن بھارتی سفیر نے لیت ولعل سے کام لیا اور مسلح افواج سے رابطہ کرنے کو ٹالتا رہا' کیونکہ چند گھنٹوں بعد پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کو اسرائیلی طیاروں کے ذریعے تباہ کیے جانے کا پروگرام تھا۔ پاکستانی حکام نے سفیر کے غیر تسلی بخش رویے کے نتیجے میں اُسے فوراً دفتر خارجہ طلب کیا اور اسرائیلی طیاروں کی کسی بھی قسم کی مہم جوئی کے نتیجے میں بھارت کو درپیش خطرات سے پیشگی آگاہ کیا۔ یوں پاک فضائیہ کی مستعدی اور بروقت کارروائی نے اسرائیل کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

ایک ایسا ملک جس سے پاکستان کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کی تعمیر و ترقی اور سالمیت و استحکام کو اس قدر خطرات درپیش ہوں اُسے کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد یہود کو پاکستان میں کھل کر کھیلنے اور پاکستان کے

خلاف منصوبوں اور سازشوں کا جال بچھانے کا خوب موقع ملے گا۔ کیا کوئی دانشور اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد فلسطینیوں کی ملکیت پر قابض یہودی فلسطینیوں کی آہ و بکا کا سبب نہیں بنیں گے' عورتوں کی آبروریزی سے باز آ جائیں گے اور بین الاقوامی قوانین کا احترام کرتے ہوئے فلسطین کو مسلمانوں کے لیے خالی کر دیں گے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ ہے ''نہیں''۔ کیونکہ فلسطین غاصب یہودیوں کا پہلا مورچہ ہے' جس کے بعد وہ آگے بڑھتے ہوئے ''دنیا پر یہودیوں کی عالمی بادشاہت'' قائم کرنے کے اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی مسلسل کوشش کرتے چلے جائیں گے۔

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ بھارت کو تسلیم کرنے کے بعد اسرائیل کو تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے؟ بڑی شرمناک اور افسوس ناک بات ہے کہ ہمارے دانشور حضرات الفاظ کے ہیر پھیر سے تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھارت کُرۂ ارض پر ہزاروں سال سے اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔ یہ اُس وقت بھی ایک علیحدہ مملکت تھا جب نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے ہندوستان کا نام لے کر غزوۂ ہند میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو جنت کی بشارت دی تھی۔ اس کے بعد ہندوستان پر مختلف قبیلوں اور خاندانوں' جن میں مرہٹہ' خلجی' غوری اور مغل خاندان وغیرہ شامل ہیں' کی حکومتیں رہی ہیں۔ تقریباً ایک صدی تک انگریز نے بھی ہندوستان پر حکومت کی ہے اور تخلیق پاکستان کے وقت بھی بھارت ایک بڑی سلطنت کے طور پر اپنا وجود رکھتا تھا' جبکہ اس کے برعکس ۱۹۴۸ء سے قبل تاریخ اسرائیل نام کے کسی بھی ملک سے خالی ہے۔ بھارتی ریاست کی حدود متعین ہیں' جبکہ اسرائیلی ریاست مسلسل اپنی سرحدات میں توسیع کی خاطر فلسطینیوں کو اُن کے آبائی علاقوں سے بے دخل کرنے اور اُن کو قتل کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے نقشے پر آج کا اسرائیل ۱۹۴۸ء کے اسرائیل سے کئی گنا وسعت اختیار کر چکا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت پر آج بھی یہ عبارت لکھی ہوئی موجود ہے کہ ''اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک پھیلی ہوئی ہیں۔''

بھارت کا دنیا پر عالمی نظام قائم کرنے کا کوئی منصوبہ ہے نہ ارادہ' جبکہ اسرائیلی اپنے مسیحا (دجال) کی آمد کے منتظر ہیں' جس کے لیے دنیا پر عالمی نظام قائم کرنے کا خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے ہیں۔ بھارت ایک سیکولر ریاست ہے جبکہ اسرائیل کو ایک نظریے کی بنیاد پر

عربوں کے قلب میں دھونس دھاندلی اور زبردستی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کو اُن کے آبائی علاقوں اور مکانوں سے بے دخل نہیں کیا جا رہا جبکہ فلسطین کے حالات کسی سے مخفی نہیں۔ بھارت نے عراق کا ایٹمی پلانٹ تباہ نہیں کیا' جبکہ اسرائیل نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے عراق کے ایٹمی پلانٹ تباہ کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کا جواز باقی رہتا ہے کہ بھارت کو تسلیم کرنے کے بعد اسرائیل کو تسلیم کرنے میں کیا حرج ہے؟ بھارت میں بلاشبہ ذات پات اور اونچ نیچ کا مسئلہ درپیش ہے' چنانچہ برہمن کو دیگر ذات والے ہندوؤں پر فوقیت حاصل ہے' لیکن یہودی اپنے علاوہ دیگر تمام انسانوں کو ''انسان نما حیوان'' تصور کرتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے انسانوں کو ہماری غلامی اور خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اسرائیل کو تسلیم کر لیا گیا ہے' یہاں تک کہ بعض مسلمان ملکوں نے بھی سرِ تسلیم خم کر لیا ہے' یہ استدلال درست نہیں۔ مغربی ممالک کی جانب سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ ہمیں بھی اسرائیل کو تسلیم کر لینا چاہیے' کیونکہ جن مغربی ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے' اُن کے نزدیک دنیا کے معاملات چلانے میں انصاف اور حقوق کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہمیں خارجہ پالیسی میں مغربی ممالک کا دست نگر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے نظریات' اہداف اور قومی و ملکی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے آزادانہ خارجہ پالیسی تشکیل دینی چاہیے' اور ہم نے اسرائیلی ریاست کا انکار کر کے وہی کیا جو ہمیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک آزاد اسلامی ریاست کی بخشش کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس اور بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح سے وفاداری کا یہی تقاضا ہے۔ اور جہاں تک بعض مسلمان ممالک کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کیے جانے کی بات ہے تو آج بھی تقریباً پچاس سے زائد ممالک ہیں جو اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں' جن میں ملائیشیا' ایران' متحدہ عرب امارات' شام' یمن' انڈونیشیا' لبنان' کویت' بحرین' عراق' عمان' لیبیا' صومالیہ' قطر اور دیگر مسلم ممالک شامل ہیں۔ مصر اور اردن کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا فیصلہ بہرحال حکومتوں کا ہے' عوام کا نہیں۔ آج بھی وہاں کے عوام میں اسرائیل کو تسلیم کیے جانے کے حوالے سے شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔

سائنس و ٹیکنالوجی کے پرستار یہ تجویز بھی بڑے زور و شور کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ

اسرائیل کو تسلیم کرنے کی صورت میں اُن کی ٹیکنالوجی سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات کہتے ہوئے ہمارے دانشوروں کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیے کہ دیگر تمام مغربی ممالک سے خوشگوار تعلقات کے باوجود آج تک ہم اُن کی ترقی اور ٹیکنالوجی سے کتنا استفادہ کر چکے ہیں؟ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے دیکھا جائے تو آج بھی ہم ترقی یافتہ ممالک سے ایک صدی پیچھے ہیں۔

اس بات کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد پاکستان بین الاقوامی سطح پر فلسطین کے معاملے میں بہتر طور پر اپنا کردار ادا کر سکے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے اپنی دھن دولت بڑھانے کے لالچ میں مغربی ممالک خصوصاً امریکا کے سامنے ''لیس سر'' والے رویے نے عالمی سطح پر پاکستان کی ساکھ کو اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے موقف پر دوسروں کی تائید حاصل کر پائیں اور مسئلہ فلسطین میں مرکزی کردار ادا کر سکیں' کیونکہ جس فورم پر ہم پچھلے ستر سال سے اپنے ہمسایہ ملک بھارت کے ساتھ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں ناکام رہے ہیں' حالانکہ بھارت کے ساتھ ہمارے مضبوط سفارتی تعلقات بھی ہیں' بھلا کیسے اُمید کی جا سکتی ہے کہ اُسی فورم پر مسئلہ فلسطین حل کیا جا سکے؟ آج بھی مشرقِ وسطیٰ میں امریکی اور اسرائیلی جارحیت بین الاقوامی سطح پر ہماری حیثیت اور بے بسی کا واضح ثبوت ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مختلف ممالک میں رہائش پذیر لاتعداد یہودی اور اُن کی تنظیمیں انفرادی و اجتماعی سطح پر اسرائیل کی طرف ہجرت کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر اسرائیلی ریاست کے وجود کو مسترد کر چکے ہیں۔ مڈل ایسٹ اسٹڈی سینٹر کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکا میں مقیم یہودی مذہبی پیشوا اور یہودی تنظیم ''حرکت ناطوری'' کے سربراہ ''یسرائیل'' نے اسرائیلی ریاست کو غیر شرعی ریاست قرار دیا ہے۔ یسرائیل نے مزید کہا کہ ''تورات کی رو سے اسرائیل ایک غیر شرعی ریاست ہے' کیونکہ تورات میں یہودی سلطنت کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ فلسطین جائز طور پر مسلمانوں کا ملک ہے اور مسجد اقصیٰ بھی انہی کی ہے''۔ امریکا میں مقیم یہودی مذہبی پیشوا نے غاصب یہودیوں کی مظلومیت کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے کہا کہ شیطانی عزائم رکھنے والے یہودیوں نے خود مختلف ممالک میں مقیم لاتعداد دیگر

یہودیوں کو قتل کروایا ہے تاکہ قانونی طور پر اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرنے کا جواز فراہم کیا جاسکے۔ (قومی اخبارات' کراچی' ۱۰ مئی ۲۰۰۴ء' بحوالہ صہیونیت کی زد میں عالمِ تمام)

اس کے علاوہ اسرائیل میں یہودیوں کی ایک اور مذہبی تنظیم ''ہیریڈم'' مستقل طور پر صہیونیت کی شدید مخالفت کرتی ہے۔ اس تنظیم کے ایک اہم رکن اور ربی ''یوسف'' نے ۱۹۸۹ء میں کنونشن منعقد کیا جس میں انہوں نے اسرائیل کے اس نظریے سے اختلاف کیا کہ ''نجات کا آغاز ہو چکا ہے اور خدا کا حکم یہی ہے کہ ارضِ اسرائیل کو فتح کر لیا جائے اور اسرائیل کا کوئی بھی حصہ غیر یہودیوں کو نہ دیا جائے''۔ یہودیوں کی مذہبی تنظیم ''نیٹورائی کارٹا'' کا اب بھی اس نظریے پر اعتقاد ہے کہ اسرائیل کا قیام ظلم' نا انصافی اور زیادتی ہے۔ جرمنی کے ایک مشہور مذہبی رہنما ''وورٹزبرگ'' نے بھی فلسطین ہجرت کرنے والے یہودیوں کو انتباہ کیا تھا کہ وہ غلطی کر رہے ہیں اور موت کی صورت میں خدا انھیں سزا دے گا۔ اسی طرح جرمنی میں جدید آرتھوڈوکس نظریات کے بانی ''رافائیل ہرش'' نے ۱۸۳۷ء میں لکھا کہ ''خدا نے یہودیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے اپنی ریاست قائم نہ کریں''۔ امریکا میں متحرک یہودی تنظیم ''امریکن فرینڈز سروس کمیٹی'' اسرائیلی ریاست کی مخالفت اور فلسطینیوں کے لیے ایک آزاد وطن کا مطالبہ کرتی ہے۔ ''ناہم گولڈ مین'' جس نے متحدہ امریکا میں اسرائیلی ریاست کے لیے مثبت رائے عامہ کو پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا' بعد ازاں وہ کہتا ہے کہ یہودیوں کو اس طرح جبراً فلسطین پر قبضہ کرنے کے بجائے عربوں کے ساتھ باہمی مفاہمت کرنی چاہیے تھی۔ آخر میں اسرائیل کے بابائے قوم اور پہلے وزیراعظم ''ڈیوڈ بن گوریان'' ہی کو سن لیجیے جنھوں نے جبری طور پر اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: ''باہر کی دنیا میں ہم الفاظ کی جنگ کے ذریعے عربوں کی مخالفت کم کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں' لیکن ہمیں اس سچائی کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ظالم اور جارح لوگ ہم ہی ہیں اور عرب صرف اپنا دفاع کر رہے ہیں۔'' (صہیونیت کی زد میں عالمِ تمام' ۱۰۱۔۱۱۵)

اس کے علاوہ بھی سینکڑوں ایسے حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں کہ مختلف ممالک میں رہائش پذیر مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والے یہودی اسرائیلی ریاست کو غاصب' ظالم اور جارح کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور فلسطینیوں کے لیے ایک آزاد وطن کا مطالبہ کرتے ہیں' لیکن خدا جانے ہمارے دانشور حضرات اس بات پر ہی کیوں زور لگائے بیٹھے ہیں کہ اسرائیل کو تسلیم کر لیا جائے!

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ جس شخصیت کے یہ نام لیوا ہیں اور جس کی تصویر کے بغیر ان کے گھروں اور دفتروں کی دیواریں بے کیف دکھائی دیتی ہیں' جس شخص کو یہ حضرات ''قائداعظم'' کہہ کر پکارتے ہیں' جس کی بصیرت و دور اندیشی' ہمت و حوصلے کی یہ لوگ داد دیتے نہیں تھکتے' مسئلہ فلسطین میں اُس کے موقف کو نظر انداز کرتے ہیں۔ قائداعظم نے اسرائیل کو سفارتی تعلقات کے لیے بھیجے گئے ٹیلی گرام کے جواب میں سخت ترین الفاظ سے مخاطب کر کے کہا تھا: ''اسرائیلی ریاست کے قیام کی صورت میں اُمت مسلمہ کے قلب میں خنجر گھونپا گیا ہے' یہ ایک ناجائز ریاست ہے جسے پاکستان کبھی تسلیم نہیں کرے گا''۔ دوسری جنگ عظیم میں قائداعظم نے امریکا پر یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کی کوشش کرنے پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا: ''یہ نہایت ہی بے ایمانی کا فیصلہ ہے اور اس میں انصاف کا خون کیا گیا ہے''۔ قیامِ پاکستان کے بعد اقوامِ متحدہ کی طرف سے تقسیمِ فلسطین کے فیصلے پر قائداعظم محمد علی جناح نے بی بی سی کے نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا: ''برصغیر کے مسلمان تقسیم فلسطین کے متعلق اقوام متحدہ کے ظالمانہ' ناجائز اور غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف شدید ترین لب و لہجہ میں احتجاج کرتے ہیں۔ ہماری حس انصاف ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم فلسطین میں اپنے عرب بھائیوں کی ہر ممکن طریقے سے مدد کریں۔''

وہ فلسطینی جو پاکستان کی ایٹمی طاقت پر اپنا حق جتاتے ہیں اور اِسے اُمتِ مُسلمہ اور اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں' جنھوں نے ہمارے ایٹمی دھماکوں کے نتیجے میں اسرائیلی افواج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا: ''آج ہم ایک ایٹمی طاقت ہیں' اب دیکھو کہ ہم تمہارا کیا حشر کرتے ہیں!'' اُن کے بارے میں ہمارا رویہ بارگاہ الٰہی میں ناقابلِ معافی ہے۔ ایک لمحے کے لیے سوچیں کہ اگر آخرت میں ہمارے عظیم لیڈر قائداعظم محمد علی جناح یہ سوال کریں کہ اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے صبح و شام میرا نام لیتے رہے' لیکن فلسطین کے بارے میں میرے موقف سے اختلاف کیوں کیا؟ تو کیا آپ کے پاس اس ''کیوں'' کا جواب ہے؟ یا پھر اگر فلسطینی مائیں' بہنیں اسلامی اخوت کے ناطے ہمارا گریبان پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے ہماری شکایت کریں تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ کیا مذکورہ بالا تجاویز اور غیر منطقی دلائل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نجات کے لیے کافی ہوں گے.....؟

ماہِ رمضان کی برکات

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہر جنس کے افراد میں فرق و تفاوت رکھا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیگر انسانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ دنوں میں جمعہ کا دن اور راتوں میں لیلۃ القدر کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح مہینوں میں رمضان المبارک خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے روز و شب عام دنوں کی طرح نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس ماہ کے استقبال کا اہتمام کرتے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی عبادت کا معمول ہر لمحے خوب سے خوب تر ہوتا تھا' تاہم آپؐ رمضان کی آمد پر کمرِ ہمت کس لیتے۔ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے' نوافل کثرت سے پڑھتے' رات کی عبادت میں معمول سے زیادہ محنت کرتے اور اپنے اصحاب کو بھی رمضان کے لمحات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی تلقین کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ یعنی رمضان کے آغاز سے ایک دن پہلے رمضان کی فضیلت پر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں رمضان کو بھرپور انداز میں گزارنے کے انداز بتائے۔ رمضان میں ہر نیکی کا ثواب کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے' نفلوں کا ثواب فرضوں کے برابر ہو جاتا ہے اور فرضوں کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کی عبادت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے' اسی لیے اس ماہ کے روزے مقرر کیے گئے اور رات کی عبادت کی ترغیب دی گئی۔ رمضان کے شب و روز عام دنوں کی طرح گزارنا رمضان کی قدر ناشناسی اور فکرِ آخرت سے محرومی ہے۔ رمضان کا مہینہ اپنی عاقبت کو بہتر کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے' رمضان کا مہینہ اس کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی ہے۔ نعمت کی قدر کرنا دانشمندی کی نشانی ہے۔ رمضان کی آمد سے پہلے ہی اپنے معمولات میں بہتری پیدا کرنی چاہیے اور نیک کاموں کا ارادہ کرنا چاہیے تاکہ رمضان کی عظمت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جسے زندگی میں رمضان نصیب ہو اور وہ اس کی قدر جانے۔ حدیث قدسی ہے کہ ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا''۔ اللہ کا دینا تو اللہ کی شان کے مطابق ہوگا۔ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے ہی انسان تمام روزے رکھنے کا ارادہ کر لے' بلکہ شوال کے چھ روزے بھی رکھے' تاکہ صائم الدھر ہو جائے۔ گویا اس نے سارے سال کے روزے رکھے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی نے رمضان کا ایک روزہ جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو اس قدر خسارہ ہوا کہ اب وہ سارا سال بھی روزے رکھے تو اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ رمضان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ارزاں ہوتی ہے۔ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جس کا رمضان بھی غفلت اور معاصی میں گزر جائے۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت بارش کی طرح برستی ہے۔

رمضان کے آغاز سے پہلے انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ رمضان سخت گرمی میں آ رہا ہے۔ دن بھی طویل ہوں گے' رات کا دورانیہ مختصر ہوگا' پھر اس میں تراویح کی مشقت بھی ہوگی' مگر انسان یہ سوچ لے کہ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ رمضان شریف کی مشقت انسان کے لیے قابل برداشت ہوگی۔ اگر کوئی شخص بیمار یا کمزور ہے تو اللہ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' یعنی دوسرے دنوں میں روزے رکھ سکتا ہے' یا روزے نہ رکھ سکتا ہو تو فدیہ دے سکتا ہے۔

رمضان قرآن کا مہینہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بے انتہا ہیں اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ انسان کی اپنی کوشش ہے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے۔ قرآن مجید کو محض دیکھنا اور اس کا ادب و احترام کرنا بھی ثواب کا باعث ہے' مگر یہ کتابِ ہدایت ہے۔ رمضان میں اس کی تلاوت کے ساتھ اس کو سمجھنے کی سنجیدہ کوشش کا پروگرام بنانا چاہیے۔ مہینے میں کئی دفعہ قرآن ختم کرنے کی بجائے چند سورتوں کو ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے' کیونکہ قرآن سمجھ کر پڑھنے کے لیے ہی ہے۔ رمضان المبارک کے روزے پورے آداب کے ساتھ رکھنے کا ارادہ کرنا چاہیے کہ زبان کو جھوٹ' غیبت اور بری گفتگو سے بچا کر رکھا جائے۔ اگر اس بات کا خیال نہ رکھا جائے تو ایسا روزہ محض فاقہ تصور ہوگا۔ رمضان تربیت کا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں گناہ کے کاموں سے دور رہ کر روزے کے اجر و ثواب کی امید رکھنی چاہیے اور غلط کاموں کو مستقل چھوڑ دینے کا بھی ارادہ کرنا چاہیے۔

رمضان میں لیلۃ القدر بھی آئے گی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا جائے۔ اس رات کی عبادت سالہا سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ رمضان میں شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے' یوں ماحول نیکیوں کے لیے سازگار ہو جاتا ہے اور نیکیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر رمضان کو آداب اور احتیاط کے ساتھ گزارا جائے تو آئندہ بھی گناہوں سے بچنا مشکل نہ رہے گا۔

رمضان میں نیک کاموں کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے' اس لیے دیگر نیک کاموں کے علاوہ فی سبیل اللہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا چاہیے۔ بیواؤں' یتیموں اور دوسرے مستحقین کی دل کھول کر مدد کی جائے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کوئی مہینہ مقرر نہیں کیا گیا' تاہم زکوٰۃ کی رقم کا بیشتر حصہ ماہِ رمضان میں ادا کیا جائے تاکہ اجر و ثواب کئی گنا بڑھ جائے۔

رمضان میں نفلوں کا ثواب فرضوں کے برابر ہو جاتا ہے اور فرضوں کا ثواب ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ جہاں رمضان میں فرضوں کو باجماعت ادا کرنا ضروری سمجھا جائے وہاں نوافل بھی کثرت سے پڑھنے چاہئیں۔ اپنے اوقات کا بڑا حصہ درود شریف اور دیگر مسنون اوراد و وظائف کے لیے وقف کیا جائے۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ رزق حلال کا اہتمام کیا جائے' کیونکہ حرام روزی کے ساتھ سحری اور افطاری والا روزہ تو محض فاقہ اور بے فائدہ مشقت ہے' جس طرح وہ نماز نامقبول ہے جو حرام روزی سے خریدے ہوئے لباس میں ادا کی جائے۔

رمضان المبارک میں ایک خصوصی عبادت اعتکاف ہے۔ اعتکاف کے دوران رمضان کے آخری دس دن مسجد میں گزارنے ہوتے ہیں۔ مسجد کے پاکیزہ ماحول میں جہاں انسان کثرت سے نوافل پڑھتا اور قرآن مجید کی تلاوت سمجھ کر کرتا ہے اور کثیر ثواب حاصل کرتا ہے' وہاں اس کی زبان ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رہتی ہے۔ اعتکاف کے دوران گزارے ہوئے دنوں میں گناہ کے کام نہ ہوں گے بلکہ ثواب سے بھرپور ہوں گے' اس لیے اعتکاف کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ اُس نے دو حج اور دو عمرے کیے ہیں۔ چونکہ مسنون اعتکاف کے لیے ہر شخص وقت نہیں نکال سکتا اس لیے اسے سُنّتِ کفایہ رکھا گیا ہے' یعنی اگر مسجد کے آس پاس کے لوگوں میں سے چند لوگ اعتکاف کر لیں تو سب لوگوں کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور کسی کو گناہ نہیں ہوگا' البتہ ثواب صرف انہی کو ہوگا جو اعتکاف کریں گے۔

یہ رمضان گزر گیا تو اگلا رمضان گیارہ ماہ کے بعد آئے گا۔ کتنے ہی لوگ اس سے پہلے انتقال کر چکے ہوں گے' لہٰذا اس رمضان کے شب و روز کو غنیمت جانتے ہوئے ان میں نیک کام کرنے' برائیوں سے بچنے' نوافل کثرت کے ساتھ ادا کرنے اور رات اور دن کے اوقات میں استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے۔ وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا۔ ایک سال کسی وجہ سے اعتکاف رہ گیا تو اگلے سال آپؐ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا۔ اعتکاف کرنے والا پورا آخری عشرہ مسجد میں گزارتا ہے۔ ان ہی دس دنوں میں لیلۃ القدر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ معتکف تو لیلۃ القدر پا ہی لے گا' کیونکہ وہ تو اس رات کی عبادت میں مصروف ہی رہا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے اور نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (ابن ماجہ) یعنی معتکف مسجد کے باہر کی نیکیاں نہیں کر سکتا' مثلاً نمازِ جنازہ میں شمولیت' بیمار کی عیادت' کسی میت کو غسل دینا' اس کی تجہیز و تکفین میں حصہ لینا' کسی لاچار' مسکین' یتیم اور بیوہ کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ کرنا۔ یہ بڑے اجر کے کام ہیں۔ معتکف اگرچہ یہ نیکیاں نہیں کر سکتا' مگر اسے ان نیکیوں کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کو بامقصد بنانے کے لیے بہتر ہے کہ روزہ رکھنے والا جب روزے کی نیت کرے تو ساتھ ہی اپنے آپ سے عہد کرے کہ وہ روزہ دار ہونے کی وجہ سے جھوٹ' غیبت اور ہر طرح کے دوسرے گناہوں سے بچ کر رہے گا۔ اس طرح نہ صرف وہ روزے کا ثواب حاصل کرے گا بلکہ اپنے کردار میں ٹھوس تبدیلی بھی پیدا کر لے گا اور واقعی اس کا روزہ اس کے لیے ڈھال بن جائے گا۔ جس طرح نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اسی طرح روزہ اگر پورے آداب کے ساتھ رکھا جائے تو وہ آتشِ دوزخ سے رہائی کا سبب بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے' اور ایسے ہی جو لوگ ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (رمضان کی راتوں کی عبادت کو تراویح کا نام دیا جاتا ہے) اور اسی

طرح جولوگ شبِ قدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔'' (صحیحین)

رسول اللہ ﷺ اگرچہ پورا رمضان عبادت میں گزارتے' تاہم آخری عشرے میں یہ مشقت زیادہ کردیتے تھے' کیونکہ یہ عشرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی عشرے میں وہ رات ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس رات کی فضیلت میں قرآن مجید میں پوری سورت 'القدر' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی عبادت' ذکر واذکار اور دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے اہل خانہ کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں سے حصہ پالیں)۔ (صحیحین) رمضان کے آخری عشرے میں لیلۃ القدر کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ بے پناہ ہے اور اسی رحمت کا مظہر لیلۃ القدر ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے' وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے' اس کا تقاضا ہے کہ اس نے اس ایک رات کے نیک عمل کو سالہا سال کے عمل کے مترادف بلکہ زیادہ قرار دیا ہے۔ ویسے تو سارا ماہِ رمضان ہی رحمتوں کا مہینہ ہے تاہم اس کے آخری عشرے کو نیک اعمال کے لیے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کو کہا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شبِ قدر کو رمضان کی آخری طاق راتوں میں تلاش کرو''۔ (صحیح البخاری) اس رات کی فضیلت کے پیش نظر ہر مسلمان کی خواہش ہونی چاہیے کہ وہ اس رات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ لیلۃ القدر میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ جو بھی دعا کرے قبول ہوتی ہے' لیکن سورۃ القدر میں ہے کہ لیلۃ القدر طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔ اس رات کا پورا دورانیہ ہی بابرکت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب شبِ قدر ہوتی ہے تو جبرائیلؑ فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر وعبادت میں مشغول ہوتا ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی) یہی بات سورۃ القدر میں بیان ہوئی ہے کہ ''اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔ یہ رات طلوع صبح تک امن اور سلامتی ہے۔''

اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے فقہی ضابطے (۸)

تالیف: ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ (م ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: ڈاکٹر صہیب حسن ☆

ضابطہ نمبر ۲۶:

دین کی نصرت کے لیے مخالفین کے ساتھ تعاون واجب ہے

دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والے اکثر حضرات اس بات میں غلطی کر جاتے ہیں کہ اگر چند مسائل میں ان سے مخالفت کرنے والے لوگ انہیں کسی دینی امر میں نصرت کے لیے بلائیں تو ان کا موقف کیا ہونا چاہیے۔ وہ صرف اس اندیشے سے کہ ان کی جماعت کے موتی بکھر نہ جائیں یا ان کی اپنی جماعت کا اتحاد باقی نہ رہے، وہ ایسی کسی دعوت پر لبیک نہیں کہتے اور اس طرح وہ پارٹی کی جزوی مصلحت کو دین کی مصلحت پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ وہ جان بوجھ کر یا بر بنائے جہالت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دین ان کی جماعت کا نام ہے اور اُمت ان کی پارٹی ہی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ بات درست نہیں ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والا اپنے اس

☆ سیکریٹری، اسلامک شریعہ کونسل، لندن (برطانیہ)

غلط خیال کی بنا پر ایک حق بات کی حمایت سے دستکش ہونے کا مرتکب ہوگا، جس کا سبب صرف یہی غلط نظریہ ہے جو اپنی جماعت کو سب کچھ سمجھنے کی بنا پر قائم ہوا ہے۔

دیکھئے کہ ہمارے نبی ﷺ نے جنگ پر آمادہ ان کافروں کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا جو آپ کے سخت دشمن تھے، لیکن آنحضور ﷺ کے پیش نظر دین کی مصلحت تھی۔ انہوں نے اس وقت یہ نہیں کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کے فتنے میں پڑ جانے سے ڈرتا ہوں۔ تو پھر مسلمان مبلغین کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں سے تعاون نہ کریں جو بر بنائے اجتہاد چند مسائل میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں، اور وہ بھی صرف اس اندیشے کی بنا پر کہ ان کی جماعت کو نقصان پہنچے گا۔

جو جماعت دین کے صحیح مفہوم پر قائم ہوتی ہے وہی اللہ عزوجل کے زیادہ قریب ہے اور اسی کے لیے کامیابی مقدر ہے، اور وہ اس لیے کہ جماعتوں کا قیام دین کی نصرت کے لیے ہوتا ہے، نہ اس لیے کہ انہیں بذاتِ خود دین سمجھا جائے۔ اس لیے اگر واقعی دین کی نصرت مطلوب ہے تو جونہی مخالفین کی طرف سے دین کی نصرت کی دعوت دی جائے تو نبی ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے اتباع میں ایسی دعوت پر لبیک کہنا چاہیے، جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکینِ مکہ کی خواہش کا احترام کیا۔ اس واقعہ کے بارے میں احادیث اور سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

ہم صحیح بخاری سے اس واقعہ کے چند پہلو امام ابن القیمؒ کے ارشادات کے ساتھ یہاں پیش کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حدیبیہ کے قصے میں نبی ﷺ کی اونٹنی قصواء کا ذکر کیا ہے کہ وہ کیسے حدود حرم کے نزدیک بیٹھ گئی تو صحابہؓ نے کہا: قصواء تو بیٹھ گئی، قصواء تو بیٹھ گئی، تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قصواء نہیں بیٹھی اور ایسا کرنا اس کی طبیعت میں داخل نہیں، لیکن ہاتھی والے واقعہ کی طرح اسے بھی رُکنا پڑا ہے''۔ پھر ارشاد فرمایا: ''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ لوگ اگر ایسی کوئی بھی بات مانگیں گے جس میں اللہ کے نزدیک مقدس چیزوں کی تعظیم مقصود ہوگی تو وہ میں انہیں بخش دوں گا''۔ پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو ہنکارا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ (۱)

ابن القیمؒ اس قصے پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: ''حدیبیہ کے قصے میں چند فقہی فوائد کا تذکرہ''

——اور پھر چند فوائد ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اور ان فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر مشرکین، بدعتی، مجرمین، ظالم اور باغی لوگ بھی کسی ایسے کام میں مدد کے خواستگار ہوں جس میں اللہ کے نزدیک کسی مقدس چیز کی عظمت مطلوب ہو تو اس پر لبیک کہا جائے گا، جو وہ مانگیں گے دیا جائے گا اور ان کی مدد کی جائے گی۔ یعنی یہ مدد ان کے کفر اور بغاوت کے لیے نہ ہوگی بلکہ صرف ان کاموں کے لیے ہوگی جن میں اللہ کے ہاں مقدس اشیاء کی تعظیم پائی جائے گی، باقی کسی دوسری چیز میں ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ تو جو شخص بھی ایسے کام پر مدد مانگے جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو اور اللہ اس سے راضی ہو تو اس کی مدد کی جائے گی اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ مدد کا طلب گار کون ہے۔ البتہ ایک شرط ہے کہ اس پسندیدہ چیز پر مدد کرنے کے نتیجے میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اللہ کو انتہائی ناپسندیدہ ہو۔ یہ سارا معاملہ انتہائی پیچیدہ، مشکل اور نازک امور میں سے ہے جو نفس پر بہت شاق گزرتے ہیں، اور اسی لیے صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے بھی کچھ لوگوں پر یہ شاق گزرے۔''(۲)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس رویے سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی جس میں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون پر ابھارا گیا ہے۔

اور اگر ایک کافر کے ساتھ بھی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں (جیسے کہ مقدس اشیاء کی تعظیم کرنا) تعاون جائز ہے تو پھر مسلمان مخالفین کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنا بالاولیٰ جائز ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو، چاہے وہ پابند سنت ہو یا بدعتی ہو، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے صرف نیکوکاروں تک محدود نہیں رکھا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲﴾ (المائدۃ)

''اور نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) پر تعاون کرو، اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

ابن عاشور اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی یہ تمہارے واجبات میں سے ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، اور اگر یہ ان پر واجب ہے تو انہیں نیکی اور تقویٰ کے کاموں

میں ہر صورت تعاون کرنا چاہیے۔ اور اس طرح تعاون کرنے میں مطلوبہ شے کے حصول کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے، گویا انسان پھر رغبت کے ساتھ یہ کام کرتا ہے۔ تو پھر ضروری ہوا کہ چاہے دشمن ہی کیوں نہ اس تعاون کا خواہش مند ہو، اس کے لیے دست تعاون دراز کیا جائے۔ حج کرنا بھی نیکی ہے، تو حج میں بھی اور تقویٰ کے کام میں بھی اس کی مدد کرو۔ وہ لوگ چاہے کافر کیوں نہ ہوں، ان کے ساتھ نیکی کے ہر کام میں تعاون کیا جائے۔ نیکی خود تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور یوں اس فعل کو بار بار کرنے سے انہیں اسلام کے قریب آنے میں مدد مل سکتی ہے۔''

پھر وہ ارشاد فرماتے ہیں:

''تَعَاوَنُوا'' کی ضمیر اور مفاعلہ کے وزن (یعنی معاونت) کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کریں۔ تعاون کے نتیجے میں عمل میں آسانی پیدا ہوتی ہے، مفادات حاصل ہوتے ہیں، اتحاد اور باہمی مدد کا اظہار ہوتا ہے اور پھر یہ عمل اُمت کا خاصہ بن جاتا ہے۔''(۳)

بلکہ اس سے بڑھ کر ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کو جن کا نفاق اللہ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے اور جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار بھی رہتے ہیں، امت کے مفاد اور حق کے غلبہ کے لیے انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جِدّوجُہد کرنے کی دعوت دی ہے، تو پھر ان مسلمان مخالفین کے ساتھ تعاون کیوں جائز نہ ہوگا، تاکہ دین کی نصرت ہو سکے اور حق کا بول بالا ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلْيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۱۶۷﴾ (آل عمران)

''اور تاکہ منافقوں کو بھی جان لے، جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے۔ اس دن یہ لوگ بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے۔ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔''

ابوجعفر طبری کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی مراد ہے منافق عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ساتھی، جو کہ اُس

وقت اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے جب وہ مشرکین سے قتال کے لیے جبل اُحد کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان سے کہا تھا: آؤ ہمارے ساتھ مل کر مشرکین سے قتال کرو یا ہمارے ساتھ رہو کہ ہماری جمعیت زیادہ ہوگی تو وہ (مشرکین) بھاگ کھڑے ہوں گے' تو انہوں نے جواباً کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ تم واقعی لڑو گے تو ہم تمہارے ساتھ ضرور چلتے' ہم ویسے ان کے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ تمہاری اور ان کی جنگ نہ ہوگی۔ اور یوں انہوں نے اس منافقت کو جسے وہ چھپائے ہوئے تھے ظاہر کر دیا۔ زبان سے صاف صاف کہہ دیا: ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ﴾ (اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ لڑائی ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ آتے) اور اس قول کی آڑ میں اس عداوت کو پھر بھی چھپائے رکھا جو وہ رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سے رکھتے تھے۔''(۴)

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ منافقین' مشرکین کے ساتھ لڑائی میں نبی مکرم ﷺ اور صحابہؓ کے ساتھ تھے' اور اس اندیشے کی بنا پر کہ کہیں ان سے مدد لینے کی وجہ سے منافقین کی مدینہ میں حیثیت مضبوط نہ ہو جائے' ان سے تعاون لینے کو نظر انداز نہیں کیا گیا' کیونکہ نگاہ اصل مقصد کی طرف تھی' یعنی مشرکین کا زور توڑنا۔

نبی اکرم ﷺ کے یہ مختلف واقعات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اسلام کا مفاد' جماعتی یا گروہی مفاد پر مقدم ہے' تو پھر اپنے مسلمان بھائی سے کہ جس سے ہم بعض شرعی نصوص کے فہم میں اختلاف رکھتے ہیں' دین کی نصرت کی خاطر تعاون کرنا کیونکر جائز نہ ہوگا!

حواشی

(۱) البخاری' حدیث نمبر ۲۷۳۱۔ (۲) اعلام الموقعین' ۳:۲۹۵۔
(۳) التحریر والتنویر ۲:۱۰۶۔۱۰۷۔ (۴) طبری' سورۂ آل عمران' آیت ۱۶۷۔

❁

ضابطہ نمبر ۲۷:

جماعتِ مسلمین کی شیرازہ بندی کا خیال رکھنا

دین بغیر جماعت کے فتح و نصرت کے جھنڈے نہیں گاڑ سکتا' جماعت اتحاد کے بغیر ممکن نہیں۔ اتحاد اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب جماعت کا ہر فرد سمجھ رکھتا ہو' اور یہ سمجھ اس وقت تک

پیدا نہیں ہو سکتی جب تک تربیت نہ کی جائے' ایسی تربیت جو امت کی صفوں میں اتحاد کی ضرورت اور اہمیت کو جماعت کے ہر فرد میں جاگزیں کر دے۔

جماعت کو اکٹھا رکھنے اور اس کی صفوں میں اتحاد قائم رکھنے کے بارے میں قرآن و حدیث کے بہت سے دلائل ہیں۔ جماعت کو برقرار رکھنا ایک فرض ہے اور کسی مستحب امر کے چھوٹ جانے یا کسی انفرادی فرض کے رہ جانے کے عذر سے جماعت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا جائز نہیں' اور وہ اس لیے کہ مسلمانوں کا متحد رہنا فرض ہے اور ان کا فرقوں میں بٹنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ﴾ (الانعام:۱۵۹)

''جن لوگوں نے دین میں تفریق ڈالی اور فرقوں میں بٹ گئے' آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَخَالَفَ الطَّاعَةَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً))(۱)

''جو شخص جماعت کو چھوڑتا ہے اور اطاعت چھوڑتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔''

یہ آیات اور حدیث اتحاد کے واجب ہونے اور فرقہ بازی کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ طحاوی کہتے ہیں:

''ہم سنت اور جماعت کی پیروی کرتے ہیں اور شذوذ' مخالفت اور فرقہ بازی سے پرہیز کرتے ہیں۔''(۲)

شیخ الاسلام ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ جہاں کہیں کسی مسلمانوں کے شہر میں جائے تو ان کے ساتھ جمعہ اور جماعت میں شریک ہو' مسلمانوں سے دوستی رکھے نہ کہ دشمنی۔ اگر کسی کو راہِ راست پر نہ پائے یا بھٹکا ہوا دیکھے اور پھر اس کو راہِ ہدایت پر لانا ممکن ہو تو اس کی کوشش کرے' وگرنہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے کہ اللہ کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔''(۳)

امام ابن تیمیہ ''بسم اللہ'' کے پڑھنے میں اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ایک شخص کے لیے یہ بات بہتر ہے کہ وہ مستحب امور کو صرف لوگوں کے دلوں کو جوڑنے کے لیے چھوڑ دے' کیونکہ ایسے امور پر اصرار کرنے کے بجائے لوگوں کے دلوں کو جوڑنا زیادہ وزن رکھتا ہے۔ نبی ﷺ نے صرف تالیفِ قلوب کی خاطر بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر کو چھوڑنا گوارا کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پہلے تو حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا کہ وہ منیٰ میں حالت سفر کی بنا پر نماز پوری کیوں پڑھتے ہیں لیکن پھر ان کے پیچھے پوری نماز بھی پڑھی اور یہ کہا کہ اختلاف ایک برائی ہے۔'' (۴)

پھر وہ کہتے ہیں:

''امام اگر کسی چیز کو مستحب سمجھے جبکہ مقتدی اسے مستحب نہ سمجھتے ہوں' تو صرف اتحاد اور تالیفِ قلوب کی خاطر اس کا چھوڑنا بہتر ہوگا۔''(۵)

پھر وہ اس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے نمازِ جمعہ سے قبل دو رکعت کا ادا کرنا کہ سنت میں ایسا وارد نہیں ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اگر ایک شخص ایسی جماعت میں ہو جو اسے پڑھتے ہوں' پھر اگر لوگ اس کی بات سنتے ہوں اور مانتے ہوں تو وہ انہیں سنت سے آگاہ کرے اور یہ دو رکعتیں نہ پڑھے' لیکن اگر لوگ اس کی بات نہ مانتے ہوں اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ ان دو رکعتوں کی ادائیگی سے لوگوں کے دلوں میں الفت قائم ہوسکتی ہے یا ابھی ان کے دل اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر جھگڑا کرنا شروع کر دیں' تو پھر بہتر ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہ چھیڑے۔''(۶)

امام -رحمہ اللہ- فروعی اختلافات کے بارے میں ایک امتیازی اصول پیش کرتے ہیں کہ جس کی رو سے فروعی مسائل کی بنا پر اصولی باتوں کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جماعت سے جڑے رہنا اور باہمی اُلفت اور محبت قائم رکھنا دین کی بنیادی باتوں میں سے ہے' اور ایک فرعی مسئلہ کہ جس میں اختلاف کیا جا رہا ہے' بہرصورت چند پوشیدہ فروعی مسائل میں سے ہے' تو پھر ایک شاخ کی حفاظت کے بہانے جڑ کو کیسے برباد کیا جاسکتا ہے۔'' (۷)

امام مُلْہَم کی یہ بات کیا ہی خوبصورت بات ہے:

''دلوں کو جوڑنا اس مستحب فعل کے کرنے سے زیادہ بڑا ہے کہ جو دلوں میں نفرت پیدا کرے۔ ایک مستحب امر کا چھوڑنا اتفاق اور تالیفِ قلوب کے لیے زیادہ مستحسن ہے' اور ایسے ہی صرف جھگڑے یا شر سے بچنے کے لیے مستحب کو چھوڑنا ایک اچھی بات ہے۔ جماعت کو تھام کر رکھنا اور محبت و الفت کو باقی رکھنا دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے جسے ایک فرعی مسئلے کی بنا پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔''

یہ اصول ایک زریں اصول ہے جو ہر طالب علم بلکہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اور اسی اصول کی بنیاد پر جماعت مسلمین کو باقی رکھا جاسکتا ہے اور ان کے مابین اختلاف کے دروازے کو بند کیا جاسکتا ہے۔

حواشی

(۱) صحیح مسلم' حدیث نمبر ۱۸۴۸۔
(۲) شرح الطحاویہ' ص ۵۴۴
(۳) الفتاویٰ ۲۸۶:۳۔
(۴) ایضاً' ۲۰۷:۲۲۔
(۵) ایضاً ۲۶۸:۲۲۔
(۶) ایضاً' ۱۹۴:۲۴۔۱۹۵۔
(۷) ایضاً ۲۵۴:۲۲۔

حرفِ آخر

یہ وہ انتہائی ضروری ضابطے ہیں جنہیں میں نے کتاب وسنت کی نصوص سے اخذ کر کے ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور انہیں علماء افاضل کی آراء سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے ان بھائیوں کے ساتھ جن سے دین کے کسی مسئلے میں اختلاف ہوا ہے' پورا پورا خیال کرنا چاہیے۔ ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ اُمت کا شیرازہ بکھر چکا ہے' دشمن اپنے مکر و فریب میں آگے آگے ہے' اور پھر اگر ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا اور دشمنوں کی چالوں کے مقابلے میں اپنی صفوں کی شیرازہ بندی نہ کی تو ہم نہ صرف دنیا بلکہ دین بھی کھو بیٹھیں گے۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ماضی میں ہماری ثقافت اصولوں پر قائم نہیں رہی ہے' بلکہ اس وقت کے حالات کے تناظر میں تھی' اور بحث و تحقیق پر انحصار نہ رکھتی تھی اور نہ ہی نتائج کا

لحاظ رکھتی تھی، جس کے نتیجے میں ہمیشہ جلد بازی سے کام لیا گیا، احکام کے صادر کرنے میں بھی اور کوئی ایک موقف اپنانے میں بھی، اور پھر جس کی بنا پر امت کی صفوں میں رخنے پڑتے گئے۔

ہم اس لیے تم طالبانِ علم اور داعیانِ اُمت کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اپنے طریق کار پر نظر ثانی کریں۔ یاد رہے کہ انسان کی عزت بھی ویسے ہی محترم ہے جیسے خون اور مال، اور لوگوں کی عزتوں کے بارے میں چھینٹے اُڑانا یا اس میں سستی سے کام لینا نہ صرف یہ کہ اُمت میں تفریق ڈالنے کا سب سے بڑا وسیلہ ہے، بلکہ خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اُمت کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا نہ صرف بڑے فرائض میں سے ہے، بلکہ دین کے اصولی مسائل میں سے ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا بیان پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ امت کی کھوئی ہوئی عزت اور بزرگی کو بحال کریں اور جو مصائب آن پڑے ہیں انہیں دور فرما دیں۔ بے شک وہ دعائیں سنتے اور قبول کرتے ہیں۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

فہرست مآخذ و مصادر

۱۔ محمد بن محمد الغزالی ابو حامد : احیاء علوم الدین ' دار المعرفۃ' بیروت

۲۔ محمد بن علی الشوکانی : أدب الطلب ومنتَهَی الأدب' دار ابن حزم' لبنان' بیروت ۱۴۱۹ھ (۱۹۹۸ء)' طبعہ اولیٰ تحقیق عبداللّٰہ یحی السُریحی

۳۔ محمد بن اسماعیل الصنعانی : ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد۔ الدار السلفیہ الکویت ۱۴۰۵ھ۔ طبعہ اولیٰ' تحقیق صلاح الدین مقبول احمد

۴۔ أحمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحرانی ابوالعباس : الاستقامہ' جامعۃ الامام محمد بن سعود' المدینۃ المنورہ' طبعہ اولی ۱۴۰۳ھ' تحقیق د/ محمد رشاد سالم

۵۔ محمد الأمین بن محمد بن المختار الحکینی الشنقیطی: اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن

۶۔ امام شاطبی : الاعتصام

۷۔ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی ابوعبداللّٰہ ابن القیّم : اعلام الموقعین عن ربّ العالمین' دارالجیل' بیروت ' ۱۹۷۳ء' طٰہٰ عبدالرؤوف سعد

۸۔ ابن تیمیہ : اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم' مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ' القاھرۃ' طبعہ دوم ۱۳۶۹ھ ۔ تحقیق محمد حامد الفقی

۹۔ ناصر الدین عبداللّٰہ بن عمر البیضاوی : تفسیر البیضاوی ' دار الفکر' بیروت

۱۰۔ ابن تیمیہ : جامع الرسائل : تحقیق محمد رشاد رفیق سالم' مصر

۱۱۔ محمد بن اسماعیل ابوعبداللّٰہ البخاری الجعفی : الجامع الصحیح ' دار ابن کثیر' الیمامہ' بیروت طبعہ سوئم ۱۴۰۷ھ

۱۲۔ ابن تیمیہ : الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ' دار العاصمۃ' الریاض' طبعہ اولیٰ ۱۴۱۴ھ د/ علی حسن ناصر' د/عبدالعزیز ابراھیم العسکر' تحقیق د/حمدان محمد

۱۳۔ ابن القیم : الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی (الداء والدواء) دار الکتب العلمیہ' بیروت

۱۴۔ ابن القیم : حاوی الأرواح الی بلاد الأفراح' دار الکتب العلمیہ' بیروت

۱۵۔ محمد بن ابی بکر بن ناصر الد مشقی: الرد الوافر' طبعہ اولیٰ ۱۳۹۳ھ' تحقیق زھیر الشاویش

۱۶۔ الشوکانی : رفع الریبۃ ضمن مجموعۃ الرسائل المنیریۃ 'طبعۃ اولیٰ

۱۷۔ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذھبی ابوعبداللّٰہ : سیر أعلام النبلاء' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت ۱۴۱۳ھ' طبعہ نھم' تحقیق شعیب الأرناؤوط' محمد نعیم العرقسوسی

۱۸۔ محمد بن علی بن محمد الشوکانی : السیل الجرّار المتدفق علی حدائق الازھار (ف ۱۲۵۰ھ)' ناشر دار ابن حزم' طبعہ اولیٰ

۱۹۔ ابن ابی العز الحنفی : شرح العقیدۃ الطحاویۃ' المکتب الاسلامی' بیروت' طبعہ چھارم ۱۳۹۱ھ

۲۰۔ کتاب الشرح والابانۃ علی اصول السُّنۃ والدّیانۃ (الابانۃ الصُغریٰ) ' ص ۲۹۲ تحقیق د/ رضا بن نعسان مُعطی

۲۱۔ ابن تیمیہ : الصارم المسلول علی شاتم الرسول' دار ابن حزم' بیروت' طبعہ اولی ۱۴۱۷ھ ۔ تحقیق محمد کبیر احمد چوھدری

۲۲۔ مسلم بن الحجّاج ابوالحسین القشیری النیسابوری : صحیح مسلم' دار احیاء التراث العربی' بیروت' تحقیق محمد فؤاد الباقی

۲۳۔ ابن القیّم : الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ ' دار العاصمہ' الریاض طبعہ سوم ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء' تحقیق د/علی بن محمد الدخیل اللّٰہ

۲۴۔ عثمان بن عبدالرحمٰن ابوعمرو المعروف بابن الصلاح : صیانۃ صحیح مسلم من الاخلال والغلط وحمایتہ من الاسقاط والسقط' تحقیق موفق عبداللّٰہ ۱۴۰۸ھ۔ دار الغرب

۲۵۔ ابن القیّم : الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ' مطبعۃ المدنی' القاھرۃ' تحقیق د/محمد جمیل غازی

۲۶۔ عقیدۃ أحمد بن محمد بن حنبل : روایۃ ابی بکر الخلّال، دار قُتَیبہ، طبع اولیٰ ۱۴۰۸ھ۔ تحقیق عبدالعزیز عز الدین السیروان۔

۲۷۔ زین الدین بن ابراھیم بن محمد بن محمد بن بکر المشھور بابن النُجیم الحنفی، دارالکتب العلمیہ، لبنان، بیروت، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔ طبعہ اولیٰ تحقیق شرح مولانا السید أحمد بن محمد الحنفی الحموی۔

۲۸۔ أحمد بن علی بن حجر ابوالفضل العسقلانی الشافعی، دار المعرفۃ، بیروت ۱۳۷۹ھ۔

۲۹۔ ابن تیمیۃ:الفتاوی الکُبریٰ، دار المعرفۃ، بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۳۸۶ھ،تحقیق حسنین محمد مخلوف۔

۳۰۔ ابوالقاسم بن عبداللّٰہ بن الشاط : الفروق للقرافی مع أنوار البروق فی انواء الفروق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء، تحقیق خلیل المنصور۔

۳۱۔ علاء الدین علی بن سلیمان المرادی : الفروع وتصحیح الفروع، تحقیق د/عبداللّٰہ الترکی، طبع اولیٰ

۳۲۔ ابوالمظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار السمعانی: قواطع الأدلۃ فی الأصول، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، تحقیق محمد حسن محمد حسن اسماعیل الشافعی۔

۳۳۔ ابومحمد عز الدین بن عبدالسلام السلمی : قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

۳۴۔ ابن حجر : لسان المیزان، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، بیروت، طبعہ سوم ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء دائرۃ المعارف النظامیہ، الھند۔

۳۵۔ ابن تیمیۃ، مجموع الفتاویٰ

۳۶۔ ابن القیم : مدارج السالکین بین منازل ایاك نعبد وایاك نستعین، دار الکتاب العربی، بیروت، طبعہ دوم ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء تحقیق محمد حامد الفقی۔

۳۷۔ ابن تیمیۃ : منھاج السنۃ النبویۃ، مؤسسۃ قرطبہ، طبعہ اولیٰ، ۱۴۰۶ھ۔ تحقیق د/محمد رشاد سالم

۳۸۔ ابوزکریا یحی بن شرف بن مری النووی، المنھاج شرح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبعہ دوم، ۱۳۹۲ھ۔

۳۹۔ ابراھیم بن موسیٰ الشاطبی المالکی : الموافقات فی أصول الفقہ، دار المعرفہ، بیروت، عبداللّٰہ دراز

۴۰۔ ابن القیّم : ھدایۃ الحیاری فی أجوبۃ الیھود والنصاریٰ، الجامعۃ الاسلامیہ المدینۃ المنورہ۔

May 2019
Vol.68

Regd. CPL No.115
No.5

Monthly Meesaq Lahore

داعیِ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن

- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 4400 روپے

عوامی ایڈیشن

- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 2200 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)